www.urduchannel.in

موگھیا لوک کہانیاں

(موگھیا قبائل کی سبق آموز اور اخلاقی قدروں سے معمور لوک کہانیاں)

ڈاکٹر پی۔ آر۔ 165

مرتب و مترجم
وقار صدیقی

ناشر
نئی کتاب پبلشرز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

MOGHIA LOK KAHANIYAN

Collection of Stories of the Moghia Tribe

Compiled & Translated in Urdu by
VAQAR SIDDIQUI

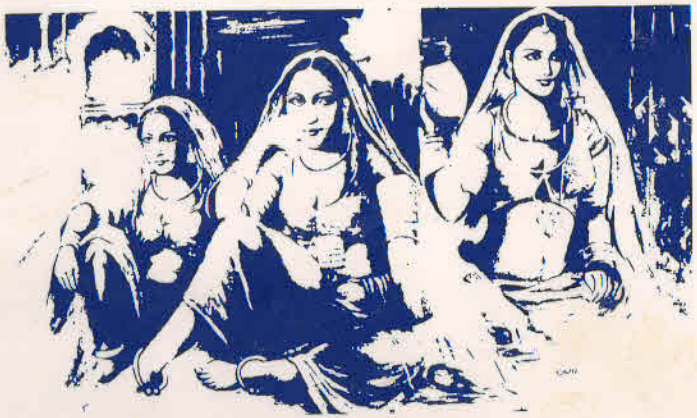

naikitab
Publishers
Printers, Publishers & Distributors
D-24, Abul Fazal Enclave Part -I, Jamia Nagar, New Delhi-25

www.urduchannel.in

موگھیا لوک کھانیاں

(موگھیا قبائل کی سبق آموز اور اخلاقی قدروں سے معمور لوک کھانیاں)

ڈاکٹر پی۔ آر۔ شکلا

مرتب و مترجم
وقار صدیقی

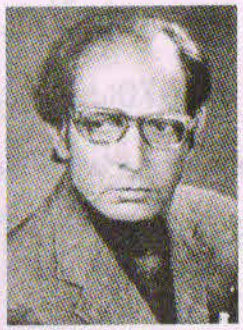

ناشر
نئی کتاب پبلشرز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

www.urduchannel.in

ناشراور تقسیم کار:

(1) نئی کتاب پبلشرز، D-24، ابوالفضل انکلیو، پارٹ۔I،
جامعہ نگرنئی دہلی۔110025
فون نمبرز: 65416661, 9313883054

(2) انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر، 212، راؤز ایونیو۔
نئی دہلی۔110002
فون نمبرز: 23237310, 23236299

(3) 103، گارڈن ہومز۔فیز۔III، الکاپوری۔
گوالیار۔474006 (مدھیہ پردیش)
فون نمبر: 0751-2434253

نام مترجم: وقار صدیقی

باراول: مارچ، 2009۔

تعداد: 500 قیمت: 70 روپے

کمپوزینگ اینڈ پیج میکنگ: المصور کمیونی کیشنز، جوگابائی، نئی دہلی۔25
فون نمبر: 26987935

انتساب

اپنی والدہ

اکرمہ خاتون (مرحومہ)

کے نام

جو بچپن میں روز رات کو

کھانی سناتی تھیں

www.urduchannel.in

موگھیوں کی پنچائت کا ایک منظر

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے
جزوی مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے

ترتیب

۱۔ دو باتیں — وقار صدیقی 6
۲۔ موگھیا ایک تعارف — پروفیسر پی، آر، شکلا 9

کہانیاں

۳۔ لکڑی کا صندوق 11
۴۔ ہنس اور سمندر 18
۵۔ بات کا زخم 22
۶۔ میل جول کی برکتیں 28
۷۔ ہوائی قلعہ 33
۸۔ برے کام کا انجام 37
۹۔ برگد کا بھوت 40
۱۰۔ دو پنچ 46
۱۱۔ سچی دوستی 53
۱۲۔ ہنس اور اُلّو 56
۱۳۔ عزت کا پاس 61
۱۴۔ بلی کی بددعا 67
۱۵۔ انصاف پسند راجا 72
۱۶۔ بیا اور بندر 78
۱۷۔ عقلمند بہو 81
۱۸۔ سبق 86
۱۹۔ بلی کا بٹوارہ 90
۲۰۔ گلگلوں کی فرمائش 94

www.urduchannel.in

دو باتیں

'موگھیا لوک کھانیاں' موگھیا نامی قبیلے کی لوک کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کہانیاں موگھیوں کے طرز زندگی — ان کے رہن سہن، عقیدوں، توہم پرستیوں اور آدرشوں کی بہترین عکاسی کرتی ہیں۔

موگھیا بنجاروں کی طرح خانہ بدوش قبائلی لوگ ہیں، جو شہر شہر کاندھوں پر تھیلے لٹکائے یا بھیڑ جمع کر کے مشک، زعفران اور سلاجیت کے علاوہ پہاڑی جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دوائیں بیچتے نظر آتے ہیں۔ اتر پردیش میں موگھیوں کو 'بھیلیا' کہا جاتا ہے۔ موگھیا لوگ بنگال، بہار، اڑیسہ، راجستھان، اتر پردیش اور مدھیہ پردیش میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے ان کی صحیح تعداد معلوم کرنا بڑا مشکل ہے۔ ان کی برادری میں پنچ اور پنچایت کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا ہے اور پنچایت کے فیصلوں پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کی بیشتر ریاستوں میں پنچایتی نظام کا نفاذ عمل میں آچکا ہے اور سارے ملک میں پنچایتی راج قائم کرنے کے سلسلے میں آئینی اقدام کیے جا رہے ہیں۔ اس پس منظر میں ان کہانیوں کی اہمیت اور افادیت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

برطانوی حکومت نے بہت سی قبائلی ذاتوں کو اقوام جرائم پیشہ کے زمرہ کے تحت رکھا تھا، جن میں موگھیا قبیلے کے لوگ بھی شامل تھے، حالانکہ ان کی لوک کھانیوں کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ موگھیوں کی سماجی قدریں کسی طرح ہمارے مہذب اور شائستہ سماج کی قدروں سے کم نہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے یہاں ان آفاقی قدروں کو بری طرح پامال کیا جا رہا ہے جب کہ موگھیوں کے سماج میں آج بھی ان قدروں اور آدرشوں پر نہ صرف یقین بلکہ سختی سے عمل بھی کیا جاتا

ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موگھیوں کے انصاف کے نظام کی بنیاد انھیں لوک کتھاؤں پر ہے۔

موگھیا کہانیوں میں نیکی اور بدی، ایمانداری اور بے ایمانی، وفاداری اور ریاکاری، سچ اور جھوٹ، عقلمندی اور حماقت کے درمیان تصادم موجود ہے جس میں بالآخر نیکی، ایمانداری اور دانشمندی کی فتح ہوتی ہے۔

موگھیوں کے رواج اور روایتیں ہمارے لیے عجیب و غریب، نئی اور دلچسپ ہیں۔ ان کہانیوں کا ماحول اور پس منظر قبائیلی زندگی کی طرح وسیع، بے تکلف اور مہم جو ہے۔ ان میں جنگل، پہاڑ، ندیاں، گاؤں، بھوت، دیو، پرندے، درندے وغیرہ سب موجود ہیں۔ ایک طرف تو غریب، ایماندار اور محنتی لوگ ہیں تو دوسری طرف بے ایمان، نکمّے اور مالدار سیٹھ اور ساہوکار ہیں جو ان کا بڑی بے رحمی سے استحصال کرتے ہیں۔ ان کہانیوں میں کہیں انسانوں کی شکل میں یہ ٹکراؤ نظر آتا ہے تو کہیں جانوروں، پرندوں اور درندوں کے روپ میں یہ جدوجہد دکھائی گئی ہے۔ ان میں کہیں طنزیہ انداز ہے تو کہیں مزاحیہ رنگ۔ غرض کہ یہ کہانیاں بچوں اور بڑوں دونوں ہی کے لیے موگھیا قبائلی زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتی ہیں۔

پروفیسر پی۔ آر۔ شکلا نے ''موگھیا لوک کتھاؤں'' کا مجموعہ حکومتِ ہند کی وزارتِ فلاح و بہبود کے مالی تعاون سے ہندی میں شائع کیا ہے اور میں نے ان کہانیوں کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

زیرِ نظر انتخاب میں ایسی کہانیوں کو شامل کیا گیا ہے جو بچوں کے میعار کے مطابق ہوں اور دلچسپ اور سبق آموز بھی۔ مجھے امید ہے کہ یہ انتخاب بچوں کے

www.urduchannel.in

ذہنی نشو ونما کی تربیت میں کار آمد اور مفید ہوگا اور اردو میں قبائلی عوامی ادب کی نمائندگی کرے گا۔

میں نے موگھیا لوک کہانیوں کا ترجمہ بھی بچوں کے ادب میں قبائلی عوامی ادب کی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوک کہانیاں بچوں اور بڑوں کو یکساں طور پر پسند آئیں گی۔

میں پروفیسر پی۔ آر۔ شکلا کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ان کہانیوں کا اردو میں ترجمہ کرنے کی اجازت دی اور اپنے عزیز دوستوں کا ممنون ہوں جنھوں نے کتاب کی اشاعت میں میری ہر ممکن مدد کی، بطور خاص جناب ڈاکٹر شفیع اللہ قریشی ، جناب رادھا رمن وید اور ہمدم دیرینہ جناب اسعد علی خاں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کام میں میرے ساتھ تعاون کیا۔

وقار صدیقی

موگھیا: ایک تعارف

ہندوستان میں آج بھی ایسی سیکڑوں قبائلی ذاتیں ہیں جو بنجاروں کی طرح گھوم گھوم کر زندگی بسر کر رہی ہیں۔ نٹ، کنجر، کل بیلیا، سانسی، کلدر، کچ بدیا، ہبوڑا، سہوریا، منگاروڑی، کبوترا، واگھری جیسی اسی قسم کی ذاتیں ہیں۔ ان خانہ بدوش ذاتوں کے لوگوں کو برطانوی حکومت اس قدر خطرناک سمجھتی تھی کہ اس نے 1871 میں ایک قانون بنا کر انھیں جرائم پیشہ قرار دے دیا تھا۔ یہ قانون 1952 تک نافذ رہا۔ اس کے بعد سے انھیں آزاد ذاتوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔

موگھیے بھی ایک ایسی ہی بنجارہ ذات سے تعلق رکھتے ہیں، جنھیں اب آزاد ذات کا درجہ حاصل ہے۔ یہ لوگ بڑے مشاق شکاری ہوتے ہیں اور دیسی جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

تحقیق کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہوئی ہے کہ موگھیوں کے نظام انصاف میں سبق آموز کہانیوں کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان میں جب کبھی کسی قسم کا جھگڑا ہوتا ہے تو فوری طور پر ایک پنچایت بٹھائی جاتی ہے، جس میں دونوں جانب کے پنچ شامل ہوتے ہیں، اس انصاف پسند پنچایت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں چور کو چور یا بے ایمان کو بے ایمان نہیں کہا جا سکتا بلکہ الزام عائد کرنے والے فریق کا ایک پنچ کوئی کہانی سناتا ہے اور دوسرے فریق کے پنچ اس سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ ''دیکھو کیا پھول مارا ہے'' دوسرے فریق کے پنچ بھی اپنی صفائی میں کہانی کہہ سکتے ہیں۔ ان کہانیوں کو 'مثل' کہا جاتا ہے جو مثال کا مخفف ہے۔ ان مثالوں کی بنیاد پر قبیلے کا سردار بھی پنچوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سناتا ہے، جسے دونوں فریق تسلیم کر لیتے ہیں۔

www.urduchannel.in

یہ لوک کتھائیں سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خصوصی سماجی روایت سے جڑی ہوتی ہیں اور نہایت دلچسپ اور فنکارانہ عوامی کہانیوں کے زمرہ میں رکھی جاسکتی ہیں، جنھیں ہندوستانی آدی واسی عوامی ثقافت کا نایاب سرمایہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

موگھیا لوک کتھاؤں کو علاقائی زبانوں کے ذریعے عوام تک پہنچانا چاہیے۔ اس سلسلے میں وقار صدیقی نے ان کا اردو میں ترجمہ کر کے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے تاکہ اردو داں طبقہ ان کہانیوں سے روشناس ہو سکے جو ہمارا تہذیبی اور ادبی سرمایہ ہیں، جس کے لیے میں انھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر پی۔آر۔شکلا
شعبۂ سماجیات
بندیلکھنڈ کالج، جھانسی، (یو۔پی)

لکڑی کا صندوق

کسی گاؤں میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ وہ بہت نیک اور ایماندار تھا۔ اگرچہ اس کے پاس کھیتی کی زمین بہت کم تھی، تاہم کسی نہ کسی طرح محنت مزدوری کر کے وہ اپنا اور اپنی بیوی کا پیٹ بھر لیتا تھا۔

ایک بار گاؤں میں قحط پڑا۔ وہاں ایک بوند پانی نہیں برسا، گاؤں کے مرد، عورتیں، بچے اور جانور غرض سبھی بھوک سے مرنے لگے۔

کسان اور اس کی بیوی نے سوچا کہ اس طرح بھوکا مرنے سے تو بہتر ہے کہ پردیس چلے جائیں۔ پردیس میں کھانا پانی بھی مل جائے گا اور کچھ کمائی بھی ہو جائے گی۔ اس لیے دونوں نے طے کر لیا کہ کچھ عرصے کے لیے پردیس ضرور جائیں گے۔

کسان کے پاس اپنے خاندان کے بزرگوں کی دی ہوئی چار اشرفیاں تھیں، جنھیں وہ اپنے پاس اپنے باپ دادا کی نشانی سمجھ کر بہت سنبھال کر رکھتا تھا۔ اس پر کئی بار بڑی بڑی مصیبتیں آئیں لیکن اس نے کبھی ان اشرفیوں کو بیچنے کا خیال تک اپنے ذہن میں نہیں آنے دیا۔

اب کسان کے سامنے اپنی اشرفیوں کو محفوظ رکھنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ وہ انھیں اپنے ساتھ پردیس لے جانا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ راستے میں چوروں اور بدمعاشوں کا ڈر تھا۔ دونوں اس بارے میں کافی دیر تک غور کرتے رہے۔ آخر انھوں نے طے کیا کہ ایک مٹی کے گھڑے میں تھوڑا سا اناج بھر کر اشرفیاں اس میں دبا دی جائیں اور گھڑے پر ڈھکن لگا کر مٹی سے چپکا کر گاؤں کے مالدار سیٹھ کے پاس بطور امانت رکھ دیا جائے۔

www.urduchannel.in

کسان وہ بند گھڑا لے کر سیٹھ کے گھر پہنچا اور اس نے سیٹھ سے مٹی کا گھڑا اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی۔ سیٹھ نے کسان کا گھڑا ایک کونے میں رکھوا دیا۔ اور کسان اپنی بیوی کے ساتھ بے فکر ہو کر پردیس کے لیے روانہ ہو گیا۔ سیٹھ نے کسان کے گھڑے کو اناج کا گھڑا سمجھ کر ایک کونے میں رکھ دیا تھا۔ مگر ایک دن اچانک سیٹھانی کا پیر گھڑے سے ٹکرا گیا تو وہ پھوٹ گیا اور اس میں بھرا ہوا اناج زمین پر بکھر گیا۔

سیٹھانی پھیلے ہوئے اناج کو بٹورنے لگی۔ تو اسی وقت سیٹھ کی نظر اناج کے دانوں میں چمکتی ہوئی ایک اشرفی پر پڑی۔ وہ فوراً اٹھ کر سیٹھانی کے پاس آ گیا اور اناج میں ہاتھ ڈال ڈال کر اشرفیاں ڈھونڈنے لگا۔ نتیجتاً اسے چاروں اشرفیاں مل گئیں۔

سیٹھ کے دل میں بے ایمانی آ گئی۔ اس نے سیٹھانی سے کہا کہ وہ اناج کی ایک پوٹلی باندھ کر رکھ دے اور اشرفیاں تجوری میں محفوظ رکھ دے۔ سیٹھانی کو سیٹھ کی بات اچھی نہ لگی۔ اس نے سیٹھ کو بے ایمانی کرنے سے منع کیا، لیکن سیٹھ پر لالچ کا بھوت سوار تھا۔ اس نے سیٹھانی کو بری طرح ڈانٹ دیا اور اشرفیاں خود تجوری میں مقفّل کر دیں۔ چار سال بیت گئے تو ایک دن کسان اور اس کی بیوی پردیس سے اپنے گاؤں واپس آ گئے۔

کسان سیدھا سیٹھ کے گھر پہنچا، اس نے اپنا گھڑا سیٹھ جی سے مانگا۔ سیٹھ نے کہا۔ ''تمھارا مٹی کا گھڑا بہت پرانا ہو گیا تھا۔ ایک دن سیٹھانی کی ٹھوکر لگنے سے ٹوٹ گیا۔ تمہارا اناج پوٹلی میں بندھا رکھا ہے، لے جاؤ۔'' غریب کسان اناج کی پوٹلی لے کر اپنے گھر آ گیا۔

کسان نے گھر آ کر جیسے ہی اناج کی پوٹلی کھولی تو اس کا دل دھک سے

رہ گیا۔ پوٹلی میں اشرفیاں نہیں تھیں۔ اس نے اناج کو بار بار ٹٹولا، لیکن اشرفیاں نہیں ملیں۔ کسان کی بیوی کو بھی بڑا تعجب ہو رہا تھا، اب دونوں کو یقین ہو گیا کہ مالدار سیٹھ نے امانت میں خیانت کی ہے۔

کسان پوٹلی لے کر دوبارہ سیٹھ کے گھر پہنچا اور اس نے اپنی اشرفیاں اس سے واپس مانگیں۔ سیٹھ نے صاف انکار کر دیا کہ اس کے پاس اشرفیاں نہیں ہیں۔ تب غریب کسان کو بھی غصہ آ گیا، وہ زور زور سے بولنے لگا اور اپنی اشرفیاں مانگنے لگا، وہ بار بار سیٹھ کو بے ایمان کہہ کر پکارنے لگا۔ سیٹھ بھی ناراضگی کا ناٹک کر رہا تھا اور کسان کو برا بھلا کہہ کر اپنی ناراضگی ظاہر کر رہا تھا۔

دونوں کی چیخ پکار سن کر سیٹھ کے گھر کے سامنے بھیڑ جمع ہو گئی۔ کچھ پنچوں نے آگے بڑھ کر دونوں کو لڑنے جھگڑنے سے روکا اور پنچایت کرنے کی صلاح دی۔

کسان اور سیٹھ دونوں پنچایت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اگلے ہی دن گاؤں کے باہر ایک گھنے برگد کے پیڑ کے نیچے پنچ جمع ہو گئے۔

سیٹھ اور کسان دونوں کے پنچ اپنے اپنے دعوے پیش کر رہے تھے، تاہم کوئی پنچ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ گاؤں کا سب سے مالدار سیٹھ ایک غریب کسان کی چار اشرفیوں کے لیے بے ایمانی کر سکتا ہے۔ دوسری طرف کچھ پنچوں کو یقین تھا کہ ایک غریب کسان اتنے بڑے سیٹھ پر جھوٹا الزام نہیں لگا سکتا۔

سیٹھ اور اس کے پنچوں کو پختہ یقین تھا کہ غریب کسان کو پنچایت کرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ غریب کسان کے پاس ایک بھی ایسا گواہ نہیں تھا جس نے کسان کے پاس اشرفیاں دیکھی ہوں یا کسان کو اناج میں اشرفیاں دبا کر

www.urduchannel.in

گھڑے میں رکھ کر سیٹھ کو دیتے ہوئے دیکھا ہو۔ غریب کسان خدا پر بھروسا کر کے پنچایت میں پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ اسے پنچ پرمیشور پر پورا اعتماد تھا۔

دونوں فریقوں کے پنچ اپنی اپنی بات کہہ رہے تھے مگر پنچایت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ رفتہ رفتہ پندرہ بیس (15,20) دن ہو گئے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

آخر ایک دن ضعیف مکھیا پنچ سبھی پنچوں سے اجازت لے کر آگے آیا۔ اس نے سیٹھ اور کسان دونوں کو مل کر ایک پلنگ کے برابر لمبا چوڑا لکڑی کا صندوق دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے پنچایت ہونے والی جگہ پر لانے کا حکم دیا۔ پنچ کی یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی، لیکن کم گو مکھیا پنچ کی دانشمندی سے سبھی پنچ واقف تھے۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ مکھیا پنچ کی اس بات میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے۔ اس لیے سبھی نے اس کی بات کی تائید کی۔

امیر سیٹھ اور غریب کسان دونوں ہی لکڑی کا صندوق بنوانے پر تیار ہو گئے۔ سیٹھ نے گھر آ کر فوراً بڑھئی کو بلایا اور ایک ہی دن میں لکڑی کا صندوق تیار کرنے کو کہا۔ بڑھئی نے رات ہونے سے پہلے ہی صندوق بنا کر مکمل کر دیا۔ سیٹھ نے اپنے آدمیوں کی مدد سے صندوق اٹھوا کر رات ہی میں پنچایت کی جگہ پر رکھوا دیا۔

دوسرے دن ضعیف مکھیا پنچ دوسرے، نیک اور ایماندار پنچوں کے ساتھ سورج نکلنے سے پہلے ہی پنچایت کی جگہ پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک ایماندار پنچ کو قلم اور کاغذ دے کر صندوق میں بند کر دیا اور امیر سیٹھ اور غریب کسان کو اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ پنچایت میں آنے کی اطلاع بھجوا دی۔

سورج نکلتے نکلتے سبھی پنچ وہاں جمع ہو گئے۔ امیر سیٹھ اور اس کی سیٹھانی بھی آ گئے۔ غریب کسان اور اس کی بیوی کچھ دیر بعد آئے۔ سب کے جمع ہوتے ہی

پنچایت شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے بزرگ مکھیا پنچ سب پنچوں کی اجازت لے کر اٹھا اور اونچی آواز میں بولا ''پنچ بھائیو، امیر سیٹھ اور غریب کسان کا معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ بیس (20) دن ہو گئے لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے لیکن آج اس کا فیصلہ ضرور ہو جائے گا۔

''آج کیسے فیصلہ ہو جائے گا؟'' بہت سے پنچ ایک ساتھ بول پڑے۔

''مکھیا، تم نے یہ صندوق کیوں بنوایا ہے؟'' ایک پنچ پیچھے سے بولا۔

''آپ سب لوگ خاموش رہیں، آج اس معاملہ کا فیصلہ ضرور ہو جائے گا۔''

مکھیا پنچ نے سب کو خاموش کرتے ہوئے اپنی بات بڑی خود اعتمادی کے ساتھ دہرائی، اور آگے بڑھ کر صندوق کے قریب آ گیا۔

''پنچ بھائیو! لکڑی کے اس صندوق میں میں نے کنکر پتھر بھر دیے ہیں، اسے پہلے کسان اور اس کی بیوی سر پر لاد کر ننگے پیر اس پیپل کے پیڑ تک جائیں گے۔ اس کے بعد سیٹھ اور سیٹھانی اپنے سر پر صندوق رکھ کر ننگے پیر اسی پیپل کے پیڑ تک جائیں گے اور اس کا چکر لگا کر واپس آ جائیں گے۔ اس کے بعد فیصلہ ہو جائے گا۔'' مکھیا پنچ بولا۔

سیٹھ اور کسان دونوں اس کے لیے تیار ہو گئے۔ پہلے غریب کسان اور اس کی بیوی نے صندوق سنبھال کر اٹھایا اور اپنے سر پر لاد کر پیپل کے پیڑ کی طرف چلے۔ گرمی کا موسم تھا۔ نیچے گرم گرم مٹی میں ان کے پاؤں جل رہے تھے۔ اس پر بھاری صندوق لاد کر ایک ایک قدم چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ کچھ ہی دور چلنے کے بعد کسان اور اس کی بیوی پسینے میں شرابور ہو گئے۔

''ایک تو اپنی چار اشرفیاں گئیں اوپر سے یہ مصیبت اٹھانی پڑ رہی ہے''

www.urduchannel.in

کسان کی بیوی ہانپتے ہوئے بولی۔

''گھبراؤ مت، بھگوان کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ ضرور انصاف کر دے گا۔'' غریب کسان نے بیوی کو تسلی دی۔

صندوق کے اندر لیٹے پنچ نے ان کی باتیں ایک کاغذ پر لکھ لیں۔ کسان اور اس کی بیوی محنتی تھے۔ انھوں نے کسی طرح صندوق کے ساتھ پیپل کے پیڑ کا ایک چکر لگایا اور واپس آ گئے۔

اب مالدار سیٹھ اور اس کی سیٹھانی نے صندوق اپنے سر پر اٹھایا اور پیپل کی جانب چل پڑے۔ کچھ ہی قدم چلنے کے بعد سیٹھانی کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ صندوق کافی وزنی تھا اور ننگے پاؤں ہونے کی وجہ سے گرم زمین پر جلے جا رہے تھے۔ کبھی کوئی چھوٹا سا پتھر بھی سیٹھانی کے پیر کے نیچے آ جاتا تو وہ لڑکھڑا جاتی اور ایسا لگتا کہ صندوق چھوٹ کر گر جائے گا۔

''میں تم سے پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ اپنے پاس کافی دولت ہے۔ غریب کسان کی چار اشرفیوں کے لیے نیت خراب مت کرو۔ اب دیکھو اپنی کیا گت بن رہی ہے۔'' سیٹھانی بولی۔

''تم تو بیوقوف ہو، دھن کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' سیٹھ نے سیٹھانی کو سمجھایا۔

سیٹھ اور سیٹھانی نے کبھی بوجھ نہیں اٹھایا تھا۔ انھیں لکڑی کا صندوق پہاڑ جیسا لگ رہا تھا، پھر بھی کسی طرح روتے جھینکتے انھوں نے پیپل کے پیڑ کا ایک چکر لگایا اور صندوق لا کر پنچوں کے پاس رکھ دیا۔ دونوں پسینے میں تر تھے اور بری طرح ہانپ رہے تھے۔

اب مکھیا پنچ اٹھ کر صندوق کے قریب پہنچا اور اس نے صندوق کا ڈھکن کھول دیا۔ ڈھکن کھولتے ہی اس میں لیٹا ہوا پنچ اٹھ کر باہر آ گیا۔

سیٹھ، سیٹھانی، کسان، اس کی بیوی اور سبھی پنچ یہ کرشمہ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''پہلے غریب کسان کی بات پڑھ کر سناؤ۔'' مکھیہ پنچ سنجیدگی سے بولا۔ ''غریب کسان کی بیوی نے کہا تھا کہ ایک تو چار اشرفیاں گئیں، اوپر سے یہ مصیبت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ اس پر غریب کسان نے کہا کہ گھبراؤ مت، بھگوان کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ ضرور انصاف کرے گا۔'' صندوق سے نکلے ہوئے پنچ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک کاغذ کو پڑھ کر سنا دیا۔

''اب سیٹھ اور سیٹھانی کی بات پڑھ کر سناؤ۔'' مکھیہ پنچ پھر بولا۔ ''سیٹھانی سیٹھ سے کہہ رہی تھی کہ میں تم سے پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ اپنے پاس کافی دھن ہے۔ غریب کسان کی چار اشرفیوں کے لیے نیت مت خراب کرو۔ اب دیکھو اپنی کیا درگت ہو رہی ہے۔ اس پر سیٹھ نے سیٹھانی سے کہا تھا کہ تم مورکھ ہو، دھن کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' پنچ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دوسرے کاغذ کو بھی پڑھ کر سنا دیا۔

سیٹھ اور سیٹھانی کی حالت دیکھنے کے لائق تھی۔ بوڑھے مکھیا پنچ کی عقلمندی سے سچائی سامنے آ گئی تھی۔

اب سبھی پنچوں نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا۔ غریب کسان کو اس کی چاروں اشرفیاں اور پورا خرچ دلوا دیا گیا اور امیر سیٹھ کے سر کے بال منڈوا کر اور کالا منہ کر کے سارے گاؤں میں گھمایا گیا۔

www.urduchannel.in

ہنس اور سمندر

سمندر کے کنارے ہنسوں کا ایک جوڑا رہا کرتا تھا۔ سمندر اور ہنس بہت اچھے دوست تھے۔ ان دونوں میں بے غرض دوستی، بے لوث محبت اور گہرا رشتہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سکھ دکھ کے ساتھی تھے۔ وہ اچھے پڑوسیوں کی طرح اپنی زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک سمندر کے دل میں ایک بڑا برا خیال در آیا۔ اس نے اپنے دوست ہنس سے کہا ''دوست'' یہ بتاؤ کہ ہم دونوں میں سے بڑا کون ہے؟''

ہنس اس سوال کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔ اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا ''بھیا میں تمہارے سوال کا مطلب سمجھا نہیں۔''

سمندر نے دل ہی دل میں اپنی گہرائی ناپی اور غرور بھرے لہجے میں بولا۔ میں تم سے بڑا ہوں۔ میری وسعت سے تو تم واقف ہو گے ہی۔ ذرا میرا پھیلاؤ دیکھو کہ دور دور تک میرا پانی لہریں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آج تک کوئی میری تھاہ نہیں پا سکا۔ یہی سبب ہے کہ میں بڑا ہوں۔''

پرندوں کا راجا ہنس بھلا یہ کیسے برداشت کرتا، اس نے اپنے شفاف پروں اور حسین جسم پر نظر ڈالی اور فخریہ انداز میں کہنے لگا۔ ''نہیں میں تم سے بڑا ہوں۔ میرا رنگ روپ دیکھو، میرا حسن دیکھو، میرا سفید رنگ آنکھوں کو کتنی ٹھنڈک بخشتا ہے۔ میرا پرکشش جسم سبھی کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ میں پرندوں کا سرتاج ہوں۔ یقیناً بڑا میں ہوں۔''

غرض یہ کہ دونوں دوست اپنی ضد پر اڑے رہے۔ دونوں اپنی بات منوانا چاہ رہے تھے اور دونوں ہی اپنی خوبیوں اور خصوصیات کی مثالیں پیش کر کے ایک

دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں دوستوں کی اس ہٹ دھرمی اور احمقانہ بات کو سن کر ہنسنی کو بڑا دکھ ہوا۔ وہ دل ہی دل میں فکر مند ہو گئی کہ کہیں اتنی سی بات پر دونوں پرانے اور اچھے دوست ایک دوسرے کے دشمن نہ بن جائیں۔ اس نے ہنس سے کہا۔ ''پیارے خواہ مخواہ لڑنے سے اچھا یہی ہے کہ ہم کہیں اور چل کر رہنے لگیں۔'' اور اس طرح سمجھا بجھا کر ہنسنی اپنے ہنس کو لے کر کچھ فاصلے پر بہنے والی ایک ندی کے کنارے رہنے لگی۔ مگر ہنس سمندر سے دور رہ کر بڑا اداس رہتا تھا۔ اس کی اداسی کو دیکھ کر ایک دن ہنسنی بولی ''پیارے ہنس، تمہیں اپنی حماقت کا پھل تو بھگتنا ہی پڑے گا۔ تم نے ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر اپنے ایک اچھے اور پرانے ساتھی کو کھو دیا۔ مجھے تو تم دونوں میں سے کوئی بھی بڑا نہیں لگتا۔ بڑا تو وہ ہوتا ہے جو دوسروں کی عزت کرتا ہے۔ بڑے پن کی بات تو یہ تھی کہ تم دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے اور زندگی بھر پیار محبت کے ساتھ رہتے۔ اب تو ہمیں اس چھوٹی سی ندی کے کنارے ہی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔''

ہنسنی کی بات سن کر ہنس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اسے اپنے دوست سمندر کی یاد آنے لگی۔

ادھر سمندر بھی اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بھی اپنے سلوک پر پچھتانے لگا۔ اسے ہر وقت اپنے دوست ہنس کی یاد آنے لگی۔ ہنس کے بغیر اب اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ بھی ہمیشہ اداس رہنے لگا۔

اتفاق سے ایک دن ادھر سے چار پنچ گذرے۔ ایک پنچ نے کہا، ''دیکھو، یہ سمندر ہے۔''

دوسرے پنچ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا، ''نہیں بھیا، یہ سمندر نہیں

www.urduchannel.in

ہے۔ اگر یہ سمندر ہوتا تو اس کے کنارے ہنس ضرور ہوتے۔"

سمندر چپ چاپ ان پنچوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے بڑا دکھ ہوا۔ اس نے کہا، "پنچوں، میں سمندر ہی ہوں۔ میرے کنارے ہنس بھی رہتے تھے، لیکن میری بیوقوفی کے سبب ہم دوستوں میں جھگڑا ہو گیا اور ہنس دوسری جگہ چلے گئے۔ میں اپنے سلوک پر بہت رنجیدہ ہوں، اگر تمہیں کہیں ہنس ملیں تو ان سے کہنا کہ تمھارا دوست سمندر اپنی بدسلوکی پر نادم ہے اور پچھتا رہا ہے۔ اسے تم سے بچھڑ جانے کا بہت غم ہے۔ کیا تم پھر سے سمندر کے کنارے رہنے آسکتے ہو؟"

سمندر کی دکھ بھری کہانی سن کر پنچوں نے اسے یقین دلایا کہ "پیارے سمندر، تم اداس نہ ہو، اگر ہمیں ہنس ملیں گے تو ہم تمھارا پیغام انھیں ضرور پہنچا دیں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہم تم دونوں کے درمیان میل ملاپ کرانے کی پوری کوشش بھی کریں گے۔" یہ کہہ کر پنچ آگے بڑھ گئے۔

کچھ ہی دور چلنے کے بعد تیسرے پنچ کی نظر ہنسوں پر پڑی وہ بولا،

"دیکھو، یہ ہنس ہیں۔"

چوتھے پنچ نے کہا، "نہیں یہ ہنس نہیں ہیں، اگر یہ ہنس ہوتے تو سمندر کے کنارے رہتے، کیونکہ ہنس ہمیشہ سمندر کے کنارے ہی رہتے ہیں۔"

پنچوں کی بات ہنس کے دل میں چبھ گئی۔ اس نے بڑی غمناک نظروں سے پنچوں کی طرف دیکھا اور اداس لہجے میں بولا۔ "دیکھو پنچوں، ہم ہنس ہی ہیں۔ ہم پہلے سمندر کے کنارے ہی رہتے تھے، لیکن ایک چھوٹی سی بات پر ہمارا سمندر سے جھگڑا ہو گیا اور ہم الگ ہو کر یہاں رہنے لگے۔ ہم یہاں بہت دکھی ہیں۔ ہمیں اپنا دوست بہت یاد آتا ہے۔ ذرا سی بات پر دو دوست ایک دوسرے سے الگ زندگی

گزار رہے ہیں۔ ہم اپنے برتاؤ پر بہت پچھتا رہے ہیں۔ کیا تم پھر سے ہماری دوستی سمندر سے کروا سکتے ہو؟ ہم زندگی بھر تمہارے شکر گزار رہیں گے۔" کہتے کہتے ہنس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پاس کھڑی ہنسنی کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔

پنچوں نے ہنسوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "دوستو، تم رنجیدہ نہ ہو، ہم سمندر سے تمھاری دوستی دوبارہ ضرور کروا دیں گے۔"

چاروں پنچ سمجھ گئے کہ ہنس اور سمندر بہت اچھے دوست ہیں اور ایک دوسرے سے الگ ہو کر بہت غمگین رہتے ہیں۔ دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور اب وہ دونوں ساتھ ہی ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ہنسوں کو ساتھ لے کر سمندر کے پاس پہنچے۔

چاروں پنچوں نے ہنسوں کا دکھ سمندر کو اور سمندر کا دکھ ہنسوں کو بتایا۔ دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا اور پھر وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

اس طرح پنچوں کی کوششوں سے دو پرانے دوست جو خودستائی کے سبب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے، پھر سے مل گئے اور ساتھ ساتھ رہنے لگے۔

www.urduchannel.in

بات کا زخم

کسی گاؤں میں ایک غریب لکڑہارا رہتا تھا۔ وہ ہر روز صبح جنگل جاتا۔ دن بھر لکڑیاں کاٹ کاٹ کر اکٹھا کرتا اور شام ہونے سے پہلے ہی لکڑیوں کے گٹھے کو سر پر لاد کر لے جاتا اور اسے بیچ کر اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا تھا۔

جس جنگل سے لکڑہارا لکڑیاں کاٹتا تھا، اس جنگل میں ایک قد آور شیر بھی رہتا تھا، جو روزانہ دور ہی سے لکڑہارے کو لکڑی کاٹتے دیکھتا رہتا تھا۔

ایک دن لکڑہارے کی نظر دور کھڑے ہوئے شیر پر پڑی تو وہ گھبرا گیا۔ اس کی کلہاڑی ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی، مگر شیر نے لکڑہارے کو دیکھا تو واپس اپنی گپھا میں چلا گیا۔

دوسرے دن لکڑہارا ڈرتا ڈرتا پھر لکڑی کاٹنے اسی جنگل میں پہنچا ہی تھا کہ کچھ دیر بعد شیر آ گیا، لیکن وہ دور کھڑا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ لکڑہارے نے بھی اسے دیکھا لیکن آج اسے زیادہ ڈر نہیں لگا۔ شیر بہت دیر تک لکڑہارے کو لکڑیاں کاٹتے دیکھتا رہا اور پھر واپس اپنی گپھا میں چلا گیا۔

اسی طرح کئی دن بیت گئے۔ لکڑہارا معمول کے مطابق روز جنگل میں لکڑیاں کاٹنے جاتا، شیر اسے دیکھتا رہتا اور پھر واپس چلا جاتا۔ اب لکڑہارے کا خوف بھی ختم ہو گیا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو شیر بھی اسی پیڑ کے نیچے آ کر کھڑا ہو جاتا تھا، جس پر لکڑہارا لکڑی کاٹتا تھا۔

رفتہ رفتہ شیر اور لکڑہارے میں دوستی ہو گئی۔ دن بھر دونوں ساتھ ساتھ رہتے اور ایک دوسرے سے سکھ دکھ کی باتیں کرتے۔ لکڑہارا نئے دوست کو پا کر بہت خوش تھا۔

لکڑہارے کی ایک کنواری بیٹی تھی، وہ ہمیشہ اس کی شادی کے سلسلے میں فکر مند رہتا تھا۔ آخر اسے اپنی بیٹی کے لیے برمل گیا۔ لکڑہارے نے فوراً بات پکّی کر لی اور شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

شادی کے دن لکڑہارے نے اپنی سبھی رشتہ داروں اور دوستوں کو مدعو کیا۔ تبھی اسے اپنا دوست شیر بھی یاد آیا۔ شادی کی مصروفیات کی وجہ سے وہ کئی دن تک اس سے نہیں مل سکا تھا، چنانچہ اس نے جنگل جا کر خود شیر کو اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کرنے اور کھانا کھانے کی دعوت دی۔

شیر نے لکڑہارے کی بیٹی کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کی بات شیرنی کو بتا دی۔ شیرنی کو شیر کے ساتھ لکڑہارے کی دوستی پہلے ہی سے ناپسند تھی۔ اب شادی میں شرکت کرنے کی بات سن کر تو اسے بہت ہی برا لگا۔

اس نے شیر کو بہت سمجھایا کہ انسان برادری پر کبھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ یہ بھی ممکن تھا کہ گاؤں والے اسے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالیں۔ مگر شیر کو اپنے دوست لکڑہارے پر پورا بھروسا تھا۔ اس لیے اس نے شیرنی کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور گاؤں کی طرف چل پڑا۔

لکڑہارے کے گھر کے سامنے شامیانے لگے ہوئے تھے اور خوب روشنی ہو رہی تھی۔ ایک طرف سامان کا اسٹور تھا، پاس ہی طرح طرح کے پکوان بن رہے تھے۔ دوسری طرف مہمانوں اور رشتہ داروں کے بیٹھنے کا بہت معقول انتظام تھا۔ پکوان کی خوشبو چاروں جانب پھیل رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں بارات آ گئی۔ سبھی لوگوں نے اٹھ کر باراتیوں کا خیر مقدم کیا۔ دولہا اور باراتیوں کو بڑی عزت کے ساتھ بٹھایا گیا، انھیں ناشتہ وغیرہ کرانے کے

www.urduchannel.in

بعد کھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد دولہا، باراتی اور مہمان کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اسی وقت شیر بھی شان کے ساتھ ٹہلتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ شیر کو دیکھتے ہی سبھی مہمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سمجھے کہ اب کسی کی جان کی خیر نہیں۔

تبھی شیر نے سب کو آداب کیا تو مہمانوں کو بڑا تعجب ہوا۔ انھوں نے بھی شیر کے سلام کا جواب دیا۔ اب ان کا خوف کافی کم ہو گیا۔ اسی وقت لکڑہارے نے اندر سے آکر بڑے فخر کے ساتھ سینہ تان کر کہا کہ شیر اس کا دوست ہے اور اس کی دعوت پر شادی میں شرکت کرنے آیا ہے۔

مہمانوں کا خوف اب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ اب ان میں کچھ لوگ شیر کو پیار بھری نظروں سے اور کچھ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

کھانا کھلانے والوں نے دولہا، باراتیوں اور مہمانوں کے سامنے طرح طرح کے پکوان سجا دیے۔ شیر بھی مہمانوں کے درمیان کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

عادت کے مطابق اس نے پورا منہ کھول کر گہری سانس لی۔ شیر کے منہ کھولتے ہی سارے ماحول میں عجیب قسم کی بو پھیل گئی۔

لکڑہارا پاس ہی کھڑا تھا۔ اسے شیر کا اس طرح منہ کھول کر سانس لینا بہت برا لگا۔

''دوست شیر جب تم گاؤں میں دعوت پر آئے ہو تو تمہیں یہاں کے کچھ آداب بھی سیکھ لینے چاہئیں۔ اس طرح منہ کھول کر سانس لینے کی جنگلی عادت تمہیں جنگل ہی میں چھوڑ کر آنا چاہیے تھی۔'' لکڑہارا بہت تلخ لہجے میں بولا اور آگے بڑھ گیا۔

لکڑہارے کی باتوں سے شیر کو بڑی تکلیف پہنچی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس

نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا دوست اسے اپنے گھر بلا کر سیکڑوں مہمانوں کے سامنے اس کی توہین کرے گا، مگر اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا اور بغیر کھانا کھائے ہی جنگل واپس ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد لکڑہارا جب واپس آیا تو شیر کو وہاں نہ پا کر اسے بڑا تعجب ہوا۔ کچھ دیر تک تو وہ اس کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر شادی کے کام کاج میں مصروف ہو گیا۔

دو دن بعد لکڑہارے کے مہمان واپس چلے گئے اور شادی کی بھیڑ بھاڑ ختم ہو گئی تو وہ ہمیشہ کی طرح کلہاڑی کندھے پر رکھ کر لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل جا پہنچا اور ایک پیڑ پر چڑھ کر لکڑی کاٹنے لگا۔ اسی وقت شیر وہاں آ گیا۔ شیر کو دیکھتے ہی لکڑہارا نیچے اتر آیا اور بولا ''دوست! اُس دن تم بغیر کھانا کھائے ہی واپس آ گئے؟''

''مجھ سے غلطی ہو گئی'' شیر بولا۔

''میں تمھیں بہت اچھا دوست سمجھتا تھا۔ مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی کہ تم میرے مہمانوں کے درمیان میں سے اٹھ کر چلے آؤ گے۔'' لکڑہارا کچھ ناراضگی کے انداز میں بولا اور شیر کو جلی کٹی باتیں سنا کر پھر اس کی توہین کرنے لگا۔

شیر خاموش کھڑا سنتا رہا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''دوست لکڑہارے! تم ایک کام کرو، اپنی کلہاڑی زور سے میرے پاؤں پر دے مارو۔ اس طرح تمھارا غصہ کم ہو جائے گا۔''

''نہیں، میں تمہیں کلہاڑی سے کیسے مار سکتا ہوں؟ آخر تم میرے دوست جو ہو۔''

لکڑہارے نے کلہاڑی اٹھاتے ہوئے کہا اور لکڑی کاٹنے کے لیے پھر پیڑ پر

www.urduchannel.in

چڑھنے لگا۔

''نہیں دوست، تمھیں میرے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہی پڑے گی۔'' شیر نے اصرار کیا۔

''نہیں دوست، میں ایسا نہیں کر سکتا.....'' لکڑہارے کی بات ادھوری رہ گئی، دوست لکڑہارے، اگر تم نے کلہاڑی سے میرے پیر پر وار نہیں کیا، تو میں تمھیں کھا جاؤں گا۔'' شیر غصے سے چیخا۔

شیر کے تیور دیکھ کر لکڑہارا ڈر گیا۔ اس نے شیر کی طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ واقعتاً غصے میں تھا۔ لکڑہارے کو محسوس ہوا کہ اگر اس نے شیر کی بات نہیں مانی تو وہ اسے سچ مچ کھا جائے گا۔

شیر نے اپنا پیر آگے بڑھایا۔ لکڑہارے نے کانپتے ہاتھوں سے اس پر بھرپور وار کر دیا۔ کلہاڑی کی چوٹ سے شیر کا پیر لہولہان ہو گیا۔

''اب تم تین دن بعد آنا۔ دوست لکڑہارے۔'' کہہ کر لنگڑاتا ہوا شیر اپنی گپھا میں چلا گیا۔

لکڑہارے کو یہ سارا واقعہ بڑا عجیب لگا۔ آج شیر کا برتاؤ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ایسے ہی خیالوں میں گم وہ بغیر لکڑی کاٹے ہی گاؤں واپس ہو گیا۔

تین دن بیت گئے مگر لکڑہارا خوف کے سبب سے لکڑی کاٹنے جنگل نہیں گیا۔

چوتھے دن وہ اپنی کلہاڑی لے کر جنگل پہنچا۔

شیر پہلے ہی سے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے زبان سے چاٹ چاٹ کر اپنا زخم ٹھیک کر لیا تھا۔

لکڑہارا ڈرتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ ''کہو دوست شیر، اب تمھارا زخم کیسا

ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''تم خود ہی دیکھ لو لکڑہارے۔ تمھاری کلہاڑی سے پیر پر کیے گئے وار کا زخم تو تین دن ہی میں ٹھیک ہو گیا، لیکن اپنے سیکڑوں مہمانوں کے سامنے تم نے میری توہین کر کے میرے دل پر جو زخم دیا تھا وہ زندگی بھر ٹھیک نہیں ہوگا۔'' شیر کی آواز میں درد تھا۔

''دوست شیر! میں نے تو تمہیں .....'' لکڑہارے کی آواز ادھوری رہ گئی۔

''کمین لکڑہارے، شیرنی نے مجھ سے پہلے ہی کہا تھا کہ انسان کی ذات دوغلی ہوتی ہے۔ اس پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن میں شیر ہوں، جنگل کا راجہ ہوں۔ میں نے تجھے دوست کہا ہے۔ اس لیے تیری جان نہیں لوں گا، لیکن آج سے میری تیری دوستی ختم ہو گئی۔ آج کے بعد اگر تو اس جنگل میں لکڑی کاٹنے آیا تو تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' شیر غصے میں بولا اور زور سے دھاڑا۔

لکڑہارا ڈر گیا اور چپ چاپ اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ اس کے بعد وہ اس جنگل میں لکڑی کاٹنے کبھی نہیں گیا۔

www.urduchannel.in

میل جول کی برکتیں

اونچے اونچے پہاڑوں اور گھنے جنگل کے وسط میں آدی واسیوں کا ایک گاؤں آباد تھا، گاؤں کے بیچ سے ایک پگڈنڈی جاتی تھی، جس کے ذریعے صبح سے شام تک گاؤں والوں اور مسافروں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

اسی گاؤں میں رام داس نامی ایک بوڑھا شخص اپنے گھر کے دروازے پر آگ جلا کر بیٹھ جاتا۔ اس راہ سے گزرنے والے آدی واسی اس کے پاس جا بیٹھتے، آگ تاپتے، چلم پیتے، اچھی اچھی باتیں کرتے اور چلے جاتے۔ رام داس معمولی حیثیت کا آدمی تھا، لیکن اس کا دل چھوٹا نہیں تھا اور اس کی نظر میں راہگیروں اور گاؤں والوں سے میل جول بڑھانے کی قیمت لکڑی اور تمباکو پر ہونے والے خرچ سے کہیں زیادہ تھی۔

رام داس کے چار بیٹے تھے۔ چاروں کو اپنے باپ کا اس طرح تمباکو اور لکڑیوں پر خرچ کرنا بہت برا لگتا تھا۔ وہ اسے پیسے اور وقت کی بربادی سمجھتے تھے۔ ان کی بیویاں بھی اپنے سُسر کو سنکی اور بیوقوف سمجھتی تھیں۔ اسی بات پر کبھی کبھی رام داس اور اس کے بیٹوں میں کہا سنی بھی ہو جاتی تھی۔ رام داس انھیں سمجھا دیتا، تو وہ مان جاتے لیکن جب ان کی بیویاں ان کے کان بھرتیں تو پھر وہ چاروں بھائی اپنے بوڑھے باپ سے تمباکو اور لکڑی کا خرچ بند کرنے پر اصرار کرنے لگتے۔

ایک دن چاروں بیٹوں کی بیویوں نے مل کر اپنے اپنے مردوں کو رام داس کے تمباکو اور لکڑی کے خرچ پر پابندی لگانے کی ضد کی تو چاروں لڑکے بوڑھے باپ کے پاس پہنچے اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

''کہو، کیا بات ہے؟'' رام داس نے بڑے بیٹے کی طرف غور سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

''پتا جی، ہم آج سے آپ کا لکڑی اور تمباکو کا خرچ بند کرنا چاہتے ہیں۔'' بڑے بیٹے نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ تم لوگ ہر روز اپنی اپنی بیویوں کے کہنے میں آ کر میرا لکڑی اور تمباکو کا خرچ بند کرنے کی بات کرتے ہو۔ میں آج ہی سے یہ بند تو کر دوں گا، لیکن یہ اچھی بات نہ ہوگی۔'' رام داس نے سخت لہجے میں کہا۔

''پتا جی، یہ فالتو خرچ ہے۔ جس قدر پیسہ آپ لکڑی اور تمباکو پر خرچ کرتے ہیں، اتنے پیسوں کو جوڑ کر ہم کچھ دنوں میں کافی روپیہ جمع کر سکتے ہیں اور اسے .....'' چھوٹا لڑکا اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔

''فضول پریشان مت ہو میرے بیٹو۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ میرا جو کچھ ہے وہ تمھارا ہے۔ میں آج ہی سے لکڑی اور تمباکو کا خرچ لینا بند کر دوں گا۔'' رام داس نے چھوٹے بیٹے کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور جلتی ہوئی آگ اور تمباکو کی تھیلی وہیں چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گیا۔

چاروں بیٹے بہت خوش ہوئے۔ ان کی خوشی کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ کہ آج سے ان کی بیویاں ان سے بہت خوش رہا کریں گے اور دوسرے یہ کہ وہ لکڑی اور تمباکو پر ہونے والے خرچ کو بچا کر جلد ہی مالدار بن جائیں گے۔

رفتہ رفتہ کافی وقت بیت گیا مگر چاروں بیٹوں کی بیویاں اب بھی کسی نہ کسی بات پر اپنے اپنے شوہروں سے لڑتی جھگڑتی تھیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے پاس اب کافی رقم جمع ہو گئی تھی۔ رام داس ہر روز گھر سے تنہا گھومنے نکل جاتا اور شام تک لوٹتا۔ وہ اپنے بیٹوں کی ترقی کی تعریف تو کرتا تھا، لیکن اب اس کے گھر

www.urduchannel.in

کے سامنے آنے جانے والوں کا بیٹھنا کم ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اداس رہنے لگا۔ چاروں بیٹے دن بھر کھیتی باڑی میں مست رہتے اور شام کو گھر لوٹنے پر اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ گھومنے نکل جاتے یا گھر کے کام کاج میں لگ جاتے۔ رام داس کو بڑھاپے میں تنہائی کا احساس بیحد تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔

ایک دن زمین کے سلسلے میں چاروں بیٹوں کا کسی شخص سے جھگڑا ہو گیا۔ رام داس کو معلوم ہوا تو اسے بہت دکھ ہوا لیکن وہ چپ رہا۔ دوسرے دن پنچایت بلائی گئی۔ اگرچہ چاروں بیٹوں نے کافی دولت کمالی تھی اور وہ خوشحال ہو گئے تھے لیکن میل جول کی کمی کے سبب ان کے سماجی شعور میں کمی آ گئی تھی۔ وہ نہ تو سماج کی ریت رواج سے واقف تھے اور نہ پنچایت کے کاموں کو سمجھتے تھے۔ لالچ کی وجہ سے ان کے ساتھ گاؤں کا کوئی آدمی ان کی حمایت پر آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے بے قصور ہونے کے باوجود وہ پنچایت کے سامنے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکے۔

ان کا حریف ہر طرح ان سے زیادہ طاقتور تھا اور اسے پورے گاؤں کی حمایت حاصل تھی، کیوں کہ وہ گاؤں کے سبھی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔

کافی وقت گزر گیا مگر پنچایت کوئی فیصلہ نہیں کر سکی، چاروں بیٹوں نے وہ سارا روپیہ جو بوڑھے باپ کی لکڑی اور تمباکو کے خرچ پر پابندی لگا کر بچایا تھا پنچایت پر خرچ کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کا پس انداز کیا ہوا ذاتی پیسہ بھی خرچ ہو گیا، جس سے وہ پریشان ہو گئے۔

ایک دن رام داس کی نظر اپنے پریشان حال بیٹوں پر پڑی تو اس نے انھیں بلا کر کہا۔ ''پیارے بیٹو، ادھر آؤ۔ کیا بات ہے؟ تم لوگ اتنے دکھی اور پریشان کیوں

ہو؟''

''جی ..... پتا جی ..... کچھ نہیں .....'' بڑے بھائی کی اپنے باپ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، کیوں کہ لکڑی اور تمباکو بند کرنے کی سب سے زیادہ ضد اسی نے کی تھی۔

''گھبراؤ مت، جو بات ہو صاف صاف کہو۔ ہو سکتا ہے بوڑھا باپ تمھارا دکھ دور کرنے میں تمہاری مدد کر سکے۔'' رام داس نے بڑے پیار سے کہا۔

''پتا جی۔ ہم نے آپ کا لکڑی اور تمباکو کا خرچ بند کر کے اچھا نہیں کیا۔'' بڑے بھائی نے دکھی لہجے میں منہ لٹکا کر کہا۔

''لیکن پہلے پوری بات تو بتاؤ۔'' رام داس نے پھر پیار سے پوچھا۔

چاروں بھائیوں نے زمین کے جھگڑے اور پنچایت سے متعلق پورا قصہ اپنے بوڑھے باپ کو سنا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ جس قدر روپیہ انھوں نے بچایا تھا سب خرچ ہو گیا اور ان کے پاس جو کچھ ذاتی رقم تھی وہ بھی ختم ہو گئی، لیکن فیصلہ نہیں ہو سکا۔

''میرے بیٹو، اب تم کیا چاہتے ہو؟'' رام داس نے مسکرا کر پوچھا۔

پتا جی، آپ آج ہی سے گھر کے باہر آگ جلا کر تمباکو کی تھیلی رکھ کر بیٹھنا شروع کر دیجیے۔ آپ کے پاس، آس پاس کے لوگ آئیں گے، تبھی کچھ بات بن سکے گی۔'' چاروں بیٹوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''ٹھیک ہے۔'' رام داس نے گردن ہلائی اور اسی وقت وہ باہر نکل کر اسی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ جہاں پہلے بیٹھا کرتا تھا۔ بڑے لڑکے نے فوراً لکڑیاں لا کر رکھ دیں۔ دوسرے بیٹے نے آگ جلا دی۔ تیسرے نے تمباکو کی تھیلی لا کر دی اور

www.urduchannel.in

چوتھے بیٹے نے جگہ کی صفائی کر دی۔ دو چار دن ہی میں پھر سے راہگیر آ کر رام داس کے پاس بیٹھنے لگے۔ وہ پہلے کی طرح آگ تاپتے، چلم پیتے، اچھی اچھی باتیں کرتے اور چلے جاتے۔

ایک روز رام داس نے، اسی گاؤں کے رہنے والے ایک بوڑھے شخص سے اپنے بیٹوں کی بپتا کہہ سنائی۔ بوڑھا بڑا عقلمند آدمی تھا اس نے رام داس کو ایک اچھی سی ترکیب بتائی اور یقین دلایا کہ اگلی پنچایت میں فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔

رام داس نے اپنے بیٹوں کو بھی وہ ترکیب بتا دی اور اگلی پنچایت میں ضعیف شخص کی ہدایت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

چاروں بھائیوں نے اپنے باپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پنچایت میں اپنے مقدمے کی پیروی کی۔ پنچایت ختم ہوگئی اور فیصلہ ان کے حق میں ہوا۔ گھر لوٹنے پر چاروں بیٹوں نے اپنے باپ کو سلام کیا اور ان کی لکڑی اور تمباکو کا خرچ دوگنا کر دیا۔ اب چاروں بیٹوں اور ان کی بہوؤں پر لوگوں سے میل جول کی برکتوں کا راز ظاہر ہوا۔

ہوائی قلعہ

دو بھکاری تھے، دونوں ہٹے کٹے اور جوان تھے، لیکن کوئی کام نہیں کرتے تھے، ان کا نہ کوئی گھر تھا، نہ عزیز رشتے دار۔ دونوں ادھر ادھر سے بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتے اور رات میں کسی کنویں، تالاب یا مندر کے پاس سو جاتے۔

دونوں بھکاری جگری دوست تھے، وہ ساتھ ساتھ بھیک مانگتے، ساتھ ہی کھاتے اور ہر وقت ساتھ ہی رہتے تھے۔ انھیں ہر روز اتنی بھیک مل جاتی کہ ان کا پیٹ بڑی آسانی سے بھر جاتا، لیکن ہمیشہ انھیں روکھا سوکھا کھانے کو ملتا تھا۔ ایک دن انھیں ایک مالدار سیٹھ نے گھی چپڑی گیہوں کی روٹیاں اور مٹھا کھانے کو دیا۔ دونوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اس سے پہلے انھوں نے اتنا ذائقہ دار کھانا کبھی نہیں کھایا تھا۔ رات میں سوتے وقت بھی دونوں دوست اسی مزے دار کھانے کا ذکر کر رہے تھے کہ ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔

''یار گیہوں کی روٹی تو بڑی ذائقہ دار ہوتی ہے۔'' دوسرے نے بھی اپنے منہ میں آتے ہوئے پانی کو نگلتے ہوئے کہا۔

''سنو دوست، میں تو اب کام کروں گا، میں کھیت خریدوں گا اور اب گیہوں کی کھیتی کروں گا، تاکہ ہمیشہ گیہوں کی روٹیاں کھا سکوں'' پہلے بھکاری نے بہت سوچ سمجھ کر اپنا منصوبہ بتایا۔

''ٹھیک ہے یار، تم کھیت خریدو اور گیہوں کی کھیتی کرو۔ میں ایک بھینس خریدوں گا، اس کے دودھ سے گھی اور مٹھائیاں بناؤں گا۔ تم مجھے اپنے گیہوں کی روٹیاں کھلانا اور میں تمھیں اپنا گھی اور مٹھائیاں کھلاؤں گا۔'' دوسرے بھکاری نے اپنا منصوبہ بتا دیا۔

www.urduchannel.in

دونوں بھکاری ایک دوسرے کے منصوبے سن کر بہت خوش ہوئے اور قریب کے ایک درخت کے نیچے سو گئے۔

صبح، کافی دھوپ نکل آنے پر ان کی آنکھیں کھلیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انھیں پھر رات کی باتیں یاد آ گئیں۔

''تو تم کھیت خریدو گے اور گیہوں کی کھیتی کرو گے؟ یہ پکی بات ہے نا۔''

دوسرے بھکاری نے پہلے بھکاری سے پوچھا۔

''ہاں یار۔ بالکل پکا ہے۔ اور تم بھی بھینس خریدو گے اور دودھ سے گھی، مٹھائیاں بناؤ گے۔ تبھی تو ہم دونوں زندگی بھر گیہوں کی گھی چپڑی روٹی اور مٹھائیاں کھا سکیں گے۔'' کہتے کہتے پہلے بھکاری کے منہ میں پانی آ گیا۔

'ہاں یار، میں بھینس ضرور پالوں گا، لیکن اسے چرانے کہیں نہیں جاؤں گا۔ میری بھینس تمھارے کھیت کے آس پاس ہی چرے گی۔'' دوسرے بھکاری نے کچھ اکڑ کر کہا۔

''واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمھاری بھینس میرے کھیت کے قریب کیسے چر سکتی ہے؟ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا۔'' پہلے بھکاری کو غصہ آ گیا۔

دونوں بھکاری اس بات کو لے کر جھگڑنے لگے۔ ان کی چیخ پکار سن کر آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔

''کیوں بھائی، تم لوگ آپس میں کیوں جھگڑ رہے ہو؟'' بھیڑ میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کو پوچھا۔

دونوں بھکاری ایک ساتھ بول رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برا بھلا بھی کہنے لگے تھے۔ ان کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسی وقت ایک بوڑھے

آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''دیکھو بھائی، تم لوگ آپس میں جھگڑا بند کرو اور پنچایت بٹھالو، پنچ تمھارا انصاف کریں گے۔''

دونوں بھکاری اپنی اپنی ضد پر اڑے تھے۔ ایک بھکاری کہہ رہا تھا۔ ''میں تمھیں اپنے کھیت میں بھینس نہیں چرانے دوں گا'' اور دوسرا بھکاری کہہ رہا تھا ''میں تمھارے کھیت ہی میں بھینس چراؤں گا۔'' دونوں بھکاری اسی طرح تکرار کر رہے تھے۔ شام ہو گئی اور پنچ کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔

آخر کار ایک بوڑھے پنچ نے آگے بڑھ کر دونوں کو خاموش ہونے کے لیے کہا۔ اور ایک بھکاری سے کہا کہ وہ پوری بات بتائے۔

پہلے بھکاری نے سیٹھ جی کے یہاں کی گیہوں کی چپڑی روٹی مٹھے کے ساتھ کھانے سے لے کر آخر تک کی بات بتا دی۔

اب بوڑھے پنچ نے دوسرے بھکاری سے پوری بات بتانے کے لیے کہا۔ اس نے بھی وہی کہانی دوہرا دی۔

اب بوڑھا پنچ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے سنجیدہ لہجے میں بھکاری سے پوچھا۔

''تمھارا کھیت کہاں ہے؟''

''ابھی کہاں ہے، لیکن میں ایک دن خریدوں گا ضرور'' پہلے بھکاری نے جواب دیا۔

''تمھاری بھینس کہاں ہے؟ ضعیف پنچ نے دوسرے بھکاری سے دریافت کیا۔

''ابھی کہاں ہے؟ لیکن میں ایک دن ضرور خریدوں گا۔'' دوسرے نے جواب دیا۔

www.urduchannel.in

ضعیف پنچ نے بلند آواز میں اپنا فیصلہ دیا۔ ''ابھی نہ تمھارے پاس کھیت ہے اور نہ بھینس۔ تم فضول میں لڑ جھگڑ رہے ہو۔ جاؤ اور آپس میں میل محبت سے رہو۔'' بوڑھے پنچ نے اپنے ساتھیوں کی جانب منہ پھیر کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اسی کو کہتے ہیں سوت نہ کپاس کوری میں لٹھم لاٹھ، چلو اپنے گھر چلیں۔'' اور پنچایت اٹھ گئی۔

مدھیہ پردیش کے دتیا ضلع کا موگھیا ارجن سنگھ
جھاڑ پھونک اور دواؤں سے علاج کرتا ہوا۔

برے کام کا انجام

خونخوار درندوں سے پُر گھنے جنگل میں ایک چغل خور سیار رہتا تھا۔ وہ روزانہ دو جانوروں کو منتخب کر کے ان کی ایک دوسرے سے برائی کرتا۔ جنگل کے سیدھے سادھے جانور اس کی باتوں میں آجاتے اور آپس میں لڑنے لگتے۔ جنگلی جانوروں کی لڑائی بڑی بھیانک ہوتی۔ دو میں سے ایک ضرور مرجاتا۔ سیار اسی موقع کی تلاش میں رہتا اور جیسے ہی ایک جانور مرتا وہ وہاں پہنچ جاتا اور بڑے آرام سے اسے چٹ کر جاتا۔ اس طرح سیار کو بغیر کسی محنت مشقت کے کھانا مل جاتا۔

ایک دن سیار کے دل میں شیر کا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی۔ شیر جنگل کا راجہ تھا۔ اس کا شکار کوئی عام جانور نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ جنگلی سوّر ہی میں اتنی طاقت تھی کہ وہ شیر سے ٹکر لے سکتا تھا۔ سیار بڑی دیر تک غور کرتا رہا اور آخر کار اس نے شیر اور جنگلی سوّر کو آپس میں لڑوانے کا فیصلہ کر لیا۔

سیار سیدھا شیر کے پاس پہنچا اور اسے تسلیمات پیش کرنے کے بعد بولا۔ ''شیر دادا! تم جنگل کے راجہ ہو، لیکن کل شام کو جنگلی سوّر کہہ رہا تھا.....'' سیار نے اپنی بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی۔

''جنگلی سور کیا کہہ رہا تھا سیار'' شیر دہاڑا۔

''جنگلی سور کہہ رہا تھا کہ وہ شیر سے نہیں ڈرتا۔ اگر شیر چاہے تو صبح صبح ندی کے کنارے مجھ سے لڑ کر تجربہ کر سکتا ہے۔'' سیار نے ڈرنے کا ناٹک کرتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

''ٹھیک ہے! میں کل صبح سور کو دیکھ لوں گا۔ شیر غصّے سے بولا۔

www.urduchannel.in

اس کے بعد سیار جنگلی سوّر کے پاس پہنچا اور اس نے اسے شیر کے خلاف بھڑکا دیا۔ جنگلی سور کافی طاقتور تھا۔ وہ غضبناک ہو گیا اور اس نے بھی اگلے دن ندی کے کنارے شیر کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے دن صبح سویرے جنگل کے دونوں طاقتور جانور ندی کے کنارے پانی پینے ایک ساتھ پہنچے۔ ان میں پہلے کچھ تکرار ہوئی اور پھر وہ بغیر پانی پیے ہی ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

سیار پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ بڑے مزے سے دونوں خونخوار درندوں کی جنگ دیکھ رہا تھا۔

شیر اور جنگلی سور دونوں ہی بہت طاقتور تھے۔ دونوں کو لڑتے لڑتے شام ہو گئی۔ وہ بری طرح زخمی ہو گئے تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی شکست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

سیار صبح سے شیر کے مرنے اور اس کا گوشت کھانے کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا، اس لیے وہ قریب ہی ببول کے ایک ایسے درخت کے کنارے بیٹھ گیا جسے ایک لکڑہارے نے ایک دن پہلے ہی کاٹا تھا۔

اچانک سیار کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

جنگلی سور کا دانت شیر کے سر سے ٹکرایا اور شیر گر پڑا، لیکن گرتے گرتے شیر نے زخمی جنگلی سور کو دونوں پنجوں سے پکڑ لیا اور اپنے تیز جبڑوں سے اس کا گلا چبا ڈالا۔

جنگلی سوّر بھی اس بھیانک وار کو برداشت نہ کر سکا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

دونوں خونخوار جانور ایسے گرے کہ پھر دوبارہ اٹھ ہی نہ سکے۔ سیار نے کچھ لمحوں تک انتظار کیا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ دونوں مر چکے ہیں تو اس نے شیر کا

گوشت کھانے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن وہ اٹھ نہ سکا۔ وہ ببول کے پیڑ سے نکلنے والے گوند سے چپک گیا تھا۔ سیار نے ایک ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھنا چاہا تو اس کا ہاتھ بھی وہیں چپک کر رہ گیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ کا سہارا لیا تو وہ بھی چپک گیا۔ سیار نے وہاں سے اٹھنے کے لیے بڑا زور لگایا، لیکن وہ جس قدر زور لگاتا تھا اتنا ہی زیادہ چپکتا جاتا تھا اور کچھ ہی دیر میں سیار بے بس ہو کر ڈھیلا پڑ گیا۔

اگلے دن جنگل کے جانوروں نے دیکھا کہ جنگل کے دو نامور درندے مرے پڑے تھے اور ان کے پاس ہی انھیں لڑانے والا سیار بھی درخت سے چپکا مرا پڑا تھا۔

www.urduchannel.in

برگد کا بھوت

ایک گاؤں میں ایک زمیندار رہا کرتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ زمیندار جس قدر نیک اور ایماندار تھا۔ اس کے بیٹے اسی قدر بدمعاش اور نکمّے تھے۔ وہ دن بھر گھر میں پڑے رہتے اور کھاتے پیتے رہتے، اور جب کوئی کام کرنے کی بات ہوتی تو آپس میں لڑنے لگتے تھے۔

اسی گاؤں میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ اس کے بھی چار بیٹے تھے۔ جو زمیندار کے کھیتوں پر دن بھر بڑی محنت سے کام کرتے، لیکن بدلے میں انھیں اتنی کم مزدوری ملتی تھی کہ ان کے خاندان کے لوگوں کو پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔

کچھ دن بعد زمیندار کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے اور بھی خودسر اور آزاد ہو گئے۔ اب وہ دن بھر آپس میں لڑتے اور گاؤں والوں کو اور بھی زیادہ ستانے لگے۔ ایک دن کسان کے چاروں بیٹوں کو انھوں نے ذرا سی بات پر مارا پیٹا اور نوکری سے نکال دیا۔

غریب کسان بہت غمگین ہوا، مہینہ بھر سے اس کے بیٹے بے روزگار تھے۔ ان کا دکھ اس سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس جو کچھ بھی تھا، وہ سب ختم ہو چکا تھا۔

ایک دن صبح سویرے کسان نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور کہا۔

''میرے پیارے بیٹو! ایک مہینے سے تم لوگ بیکار ہو۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا، میں نے تم پر خرچ کر دیا۔ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا، تمھارا دکھ اور اداسی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ تم جوان ہو، محنتی ہو، کچھ کام کیوں نہیں کرتے؟''

''مگر باپو، ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کھیتی کے سوائے ہمیں کوئی کام نہیں آتا اور زمین ہمارے پاس ہے نہیں۔ اب، تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟'' سب سے بڑا بھائی بولا۔ باقی تینوں بھائی خاموشی سے کھڑے اس کی تائید کرنے لگے۔

''ٹھیک ہے، ایک کام کرو، جب تم لوگوں کے لیے اس گاؤں میں کوئی کام دھندہ نہیں ہے۔ تو پردیس جا کر کماؤ۔ بغیر کمائے کسی کی گزر بسر نہیں ہوتی۔'' کسان نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے جوان بیٹوں کو پردیس جانے کا مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے باپو، آپ جیسا کہتے ہیں ہم ویسا ہی کریں گے۔'' کہتے ہوئے بڑے بھائی نے اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکا کے کھڑے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں کہ باپو کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر۔

چاروں بھائی گھر کے اندر گئے، انھوں نے اپنے بچوں کو پیار کیا اور بوڑھے باپ کے پاس واپس آئے۔ کسان چارپائی پر بیٹھا کھانس رہا تھا۔ چاروں بھائیوں نے اس کے پیر چھوئے اور پردیس کے لیے گھر سے نکل پڑے۔ کسان نے بڑے دکھے ہوئے دل سے انھیں رخصت کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے چلتے وقت گھر کا آخری برتن لوٹا بھی اپنے بڑے بیٹے کو دے دیا۔

چاروں بھائی دن بھر چلتے رہے اور جب شام ہو گئی تو وہ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ بھوک، پیاس کے مارے ان کا برا حال تھا، لیکن کھانے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ تبھی بڑے بھائی کی نظر برگد کے پیڑ پر گئی، اس کے نیچے ایک کنواں تھا۔ چاروں بھائیوں نے طے کیا کہ وہ اسی پیڑ کے نیچے رات گزاریں گے اور کنویں کے پانی پر ہی اکتفا کریں گے اور اگلے دن پھر اپنا سفر شروع کر دیں گے۔

جیسے ہی وہ کنویں کے نزدیک پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ کنویں میں پانی اتنا نیچا

www.urduchannel.in

ہے کہ بغیر رسی کے بھرا نہیں جا سکتا تھا۔ ان کے پاس کسان کا دیا ہوا لوٹا تو تھا مگر رسی نہیں تھی، تاہم انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔

بڑے بھائی نے ایک بھائی کو مونج لانے، دوسرے کو مونج کوٹنے کے لیے، پتھر لانے اور تیسرے بھائی کو رسی بٹنے کا کام سونپا اور خود سب کے آرام کے لیے زمین صاف کرنے لگا۔

تینوں بھائی اپنے بڑے بھائی کا حکم سنتے ہی کام میں لگ گئے۔ ایک بھائی مونج لے آیا اور اسے صاف کر کے دیتا گیا۔ دوسرا بھائی پتھر لے آیا اور مونج کو کوٹنے لگا، تیسرا بھائی رسی بٹنے لگا، اور اس طرح جلد ہی ایک بڑی رسی بن کر تیار ہو گئی۔ سب سے بڑے بھائی نے اتنی دیر میں سب کے آرام کرنے کے لیے زمین صاف کر لی تھی۔

برگد کا پیڑ بہت پرانا تھا۔ اس پر ایک بھوت رہتا تھا۔ وہ رات بھر ادھر ادھر گھومتا اور دن میں پیڑ پر آ جاتا اور پڑا پڑا سوتا رہتا۔ اندھیرا ہوتے ہی پھر اٹھتا اور گھومنے پھرنے نکل جاتا۔

ابھی اندھیرا ہونے میں دیر تھی لیکن پیڑ کے نیچے کھٹ کھٹ ہونے کی آواز سن کر بھوت کی آنکھ کھل گئی، کچھ دیر وہ آنکھیں ملتا رہا، پھر اس نے نیچے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا کیوں کہ برگد کے نیچے چار لمبے تڑنگے ہٹے کٹے نوجوان کھڑے تھے، ان میں سے ایک کے پاس رسّی تھی۔

بھوت گھبرا گیا۔ اس نے سوچا کہ بھاگنے کا تو کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لیے نیچے چل کر دیکھا جائے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟ ڈرتے ڈرتے بھوت نیچے اترا۔

''تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' بھوت کی آواز میں گھبراہٹ تھی، یکا یک ایک اجنبی کو اپنے سامنے پا کر چاروں بھائی ڈر گئے، لیکن بڑے بھائی نے ہمت نہیں ہاری۔ تینوں چھوٹے بھائی اپنی عادت کے مطابق بڑے بھائی کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

''پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟'' بڑے بھائی نے ہمت کر کے سخت لہجے میں پوچھا۔''

''میں بھوت ہوں اور اسی برگد پر رہتا ہوں، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو، تو مجھے معاف کر دو بھائی۔'' بھوت نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

بڑے بھائی کی کڑک آواز سن کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہاں ضرور کوئی خطرہ ہے۔ اس کے ساتھ تینوں بھائی اس انداز سے باادب کھڑے تھے کہ بھوت کو دال میں کچھ کالا نظر آنے لگا۔

بھوت کا نام سنتے ہی چاروں بھائیوں کے ہوش گم ہو گئے، لیکن بھوت کی بات سن کر وہ سمجھ گئے کہ وہ ان سے ڈر رہا ہے۔ جلد ہی بڑے بھائی نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا اور پھر اپنی آواز کو اور زیادہ کرخت بناتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو تم ہی وہ برگد والے بھوت ہو، جسے پکڑنے کے لیے یمراج نے ہم چاروں کو رسّی دے کر یہاں بھیجا ہے۔''

''ہاں مہاراج، میں ہی وہ برگد والا.....'' بھوت کی آواز پکڑے جانے کے ڈر سے کانپ رہی تھی۔

''لاؤ مجھے رسی دو، میں اسے ابھی باندھتا ہوں۔'' بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی طرف رسی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باندھے جانے کے ڈر

www.urduchannel.in

سے بھوت بھاگ جائے گا اور وہ اس مصیبت سے بچ جائیں گے۔

''نہیں مہاراج! مجھے مت باندھو، میں تم لوگوں کو مال وزر دے سکتا ہوں، جو کہو وہ خدمت انجام دے سکتا ہوں، لیکن مجھے مت باندھو۔'' بھوت گڑگڑانے لگا۔

بڑے بھائی کے ہاتھ میں رسی دیکھ کر اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ ''ٹھیک ہے، اگر تم ہمیں خوش کر دو تو ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔'' بڑے بھائی کی آواز کچھ نرم ہوگئی تھی۔

بھوت انھیں اپنے ساتھ لے کر ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچا۔ پتھر کو ہٹانے پر ایک سرنگ دکھائی دی۔ پانچوں لوگ اسی میں داخل ہوگئے۔ سرنگ کے اندر سونے، چاندی، ہیرے، جواہرات کے ڈھیر لگے تھے۔ چاروں بھائیوں نے ایک ایک گٹھری باندھی اور بھوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے گاؤں واپس آ گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے پوری داستان اپنے بوڑھے باپ کو سنائی۔ باپ یہ سن کر بہت خوش ہوا، اس نے اپنے چاروں بیٹوں، بہوؤں اور بچوں کو ساتھ لیا اور شہر میں آ کر رہنے لگا۔ اب اس کے پاس شاندار مکان تھا اور عیش و آرام کی تمام چیزیں بھی مہیا ہوگئی تھیں۔

دھیرے دھیرے یہ بات زمیندار کے بیٹوں کے کانوں تک بھی پہنچی۔ وہ کسان کے مالدار ہونے کا راز معلوم کرنے کے لیے شہر پہنچے تو کسان نے انھیں پوری بات بتا دی۔

زمیندار کے چاروں بیٹوں نے دوسرے ہی دن صبح جنگل کی راہ لی اور شام تک اسی برگد کے نیچے جا پہنچے۔ چاروں کا بھوک، پیاس اور تھکن سے برا حال تھا۔

بڑے بھائی نے تینوں بھائیوں سے مونج اور پتھر لانے کے لیے کہا۔

''میں نہیں لاتا'' کہتے ہوئے چھوٹے بھائی نے دوسری طرف منہ کر لیا۔

''میں بھی نہیں لاتا۔'' اس سے چھوٹے بھائی نے بھی انکار کر دیا۔

اسی طرح تیسرے بھائی نے بھی انکار کر دیا۔ چوتھا سب سے بڑا بھائی بھی نکما تھا۔

چاروں میں سے ایک بھی بھائی کام کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے سامان لانے کے لیے کہتے رہے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ ان کی چیخ پکار سن کر بھوت جاگ اٹھا۔ اسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے نیچے آ کر دیکھا کہ چار لوگ آپس میں لڑ رہے تھے۔

بھوت کو دیکھتے ہی چاروں بھائیوں کے ہوش اڑ گئے، ڈر کے مارے وہ کانپنے لگے، اور ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔

''کون ہو، تم لوگ اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' بھوت نے کڑک کر کہا۔

''ہم..... لوگوں کو..... یم..... نے..... بھیجا..... ہے..... ہم..... تمھیں۔

..... باندھنے..... آئے ہیں۔'' ایک بھائی نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا، تو تمھیں یم (یمراج) نے بھیجا ہے؟ تم مجھے باندھنے آئے ہو؟

ارے بیوقوفو تم تو آپس ہی میں لڑ رہے ہو۔ آپس میں لڑنے والے بزدل اور بیوقوف ہوتے ہیں۔'' کہتے ہوئے بھوت نے ہاتھ آگے بڑھایا اور چاروں بھائیوں کو پکڑ کر کھا گیا۔

www.urduchannel.in

دو پنچ

کسی گاؤں میں ایک بوڑھا کسان رہتا تھا۔اس کا نام ارجن تھا۔ وہ بڑا دانشور اور دور اندیش تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس اپنے لڑائی جھگڑوں کا تصفیہ کرانے کے لیے آتے تھے۔ وہ سبھی کا فیصلہ بڑی غیر جانبداری سے کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے کئے جانے والے فیصلوں کی کبھی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ در اصل سبھی لوگ اس کے غیر جانبدارانہ اور دانشمندانہ فیصلوں کے مدّاح تھے۔اس سلسلے میں ارجن کی شہرت دور دور کے گاؤں تک پھیل چکی تھی۔

اس گاؤں سے دور ایک دوسرے گاؤں میں گوپال نامی ایک ہوشیار اور عقلمند کسان رہا کرتا تھا۔ گوپال نے ارجن کا نام تو بہت سنا تھا لیکن اسے کبھی دیکھا نہیں تھا۔اس کی بڑی آرزو تھی کہ کبھی کوئی ایسی پنچایت ہو جس میں اس کی ملاقات ارجن سے ہو اور وہ اس کی لیاقت کا امتحان لے سکے لیکن اسے ایسا موقع میسّر نہ ہوا۔

ارجن کا ایک بیٹا تھا، اس کا م موہن تھا۔ ارجن اپنے بیٹے کو اپنے سے بھی زیادہ بڑا اور عقل مند آدمی بنانا چاہتا تھا۔ وہ اسے ہر روز اپنے ساتھ ہی جگاتا اور اسے اصول پسندی کے اصولوں سے واقف کراتا۔ موہن کو باپ کی باتیں اچھی نہ لگتیں، اس لیے وہ ان باتوں پر کبھی دھیان نہیں دیتا تھا۔

اسی طرح کئی برس بیت گئے۔ ارجن اب بڑھاپے کی طرف بڑھنے لگا۔اس کا بیٹا موہن جوان ہو گیا تھا۔اس لیے ایک دن نیک گھڑی دیکھ کر ارجن نے موہن کی شادی بڑی دھوم دھام سے پڑوس کے گاؤں کی ایک خوبصورت لڑکی مایا سے کر دی۔

سال بھر بعد بہو کو رخصت کرانے کے لیے ارجن نے اپنے بیٹے کو اس کی سسرال بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ موہن کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ دل ہی دل میں بڑا خوش ہوا۔اس نے نئے کپڑے بنوائے، سات ہاتھ کی لاٹھی خریدی۔اس میں لوہا لگوایا اور اون کے پھندے باندھے۔اس انتظام کے بعد ارجن نے نیک گھڑی دیکھ کر اپنے بیٹے کا تلک کیا اور اسے سسرال کے لیے روانہ کر دیا۔

موہن خوشی سے جھومتا ہوا، منہ میں پان دبائے، اپنی بیوی سے ملنے کے خواب دیکھتا ہوا سفر پر چل پڑا۔ وہ جلد ہی اپنی سسرال پہنچ جانا چاہتا تھا۔ راستے میں ایک گاؤں پڑا۔ وہاں پنچایت ہو رہی تھی۔ در اصل یہ وہی گاؤں تھا، جہاں گوپال رہا کرتا تھا۔ موہن نے کبھی پنچایت کے طور طریقوں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ پنچایت کو کھیل تماشے کی بھیڑ سمجھ کر سبھی پنچوں کے درمیان ایک خالی جگہ دیکھ کر بیٹھ گیا۔

پنچوں کو موہن کی یہ حرکت بری لگی اور وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگے۔ موہن نے پنچایت کے آداب کے مطابق نہ تو پنچوں کو سلام کیا، نہ جوتے اتارے اور نہ ہی پان تھوکا تھا بلکہ وہ برابر اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتا رہا تھا۔ اس کی لاٹھی اس کے کندھے پر رکھی تھی۔ اسے اپنے باپ کے نام اور شہرت کا بڑا گھمنڈ تھا۔اس سے پہلے کہ پنچ موہن کے ساتھ سختی سے پیش آتے، گوپال اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹے تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟'' گوپال نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''میرا نام موہن ہے۔ میں ارجن کا بیٹا ہوں۔ میں اپنی بیوی کو رخصت کرانے کے لیے سسرال جا رہا ہوں۔ آپ لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو یہاں آ گیا۔

www.urduchannel.in

مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں کوئی پنچایت ہو رہی ہے۔'' موہن نے اکڑتے ہوئے جواب دیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے باپ کا نام سنتے ہی لوگ ڈر جائیں گے اور اسے عزت کے ساتھ نذرانہ وغیرہ دے کر رخصت کر دیں گے۔

ادھر ارجن کا نام سنتے ہی گوپال کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے اسی موقع کا انتظار تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب اپنے بیٹے کے لیے ارجن کو یہاں آنا ہی پڑے گا۔ اسی بہانے وہ ارجن کو دیکھ لے گا اور اس کی ذہانت کا امتحان بھی لے لے گا۔

''بیٹے، تمھارا باپ اتنا بڑا مکھیا ہے۔ کیا اس نے تمھیں پنچایت کے طور طریقے بالکل نہیں سکھائے؟ تم پان کھا کر پنچایت میں آئے ہو، تم نے اپنے جوتے بھی نہیں اتارے، نہ ہی تم نے کسی پنچ کو سلام کیا بلکہ اب بھی تم اپنی لاٹھی کاندھے پر رکھے مونچھوں پر تاؤ دے رہے ہو۔ تم نے بہت غلط کام کر ڈالے ہیں۔ تمھیں اس کی سزا بھوگنی ہوگی۔''

''میں کسی پنچایت و نچایت کو نہیں مانتا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور نہ ہی میں کوئی سزا بھگتوں گا۔'' کہتے ہوئے موہن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم سزا پائے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔'' گوپال کی آواز میں سنجیدگی تھی۔ اس نے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا۔ ان میں سے فوراً ہی چار لمبے چوڑے آدمیوں نے موہن کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

موہن ڈر گیا۔ آج وہ اپنے باپ کی ہدایات پر عمل نہ کرنے پر پچھتا رہا تھا۔ اگر اس نے اپنے پتا سے پنچایت کے طور طریقے سیکھ لیے ہوتے تو اسے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

''بتاؤ، مجھے کیا جرمانہ دینا پڑے گا؟'' موہن اداس ہو کر بولا۔

''تم ایک عقلمند آدمی کے بیٹے ہو۔ اس لیے سبھی پنچوں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھیں ٹوکری بھر بھوسے سے ایک رسی بٹنی پڑے گی۔'' مکھیا گوپال نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ موہن نادان اور مورکھ تھا۔ وہ رسی نہیں بنا سکا مگر رسی بنائے بغیر وہ اٹھ بھی نہیں سکتا تھا، کیوں کہ چاروں ہٹے کٹے لوگ اب بھی اسے گھیرے کھڑے تھے۔ موہن کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ رات ہونے والی تھی۔ آخر موہن گھبرا کر رونے لگا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، تم اپنی پگڑی اور لاٹھی یہیں رکھ دو اور کسی جان کار کاریگر کو لے کر کل صبح تک آ جاؤ، جو اس کی رسّی بنا سکے۔ اس کے بعد ہی تمھاری پگڑی اور لاٹھی تمھیں واپس مل سکتی ہے۔'' گوپال نے موہن کو اجازت دے دی۔

موہن نے اپنی لاٹھی اور پگڑی گوپال کے حوالے کی اور سیدھا اپنے باپ کے پاس واپس ہو گیا۔ اپنے پتا سے اپنے سفر اور پنچایت کا ذکر تفصیل سے بیان کرتے ہوئے وہ رونے لگا۔

ارجن نے جیسے ہی گوپال اور اس کے گاؤں کا نام سنا وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے سوچا کہ مکھیا نے یقیناً اس سے ملنے اور اس کا امتحان لینے کے لیے اس کے بیٹے کو پھنسایا ہے۔

''بیٹا، میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ پنچوں کا فیصلہ بہت بڑی چیز ہوتی ہے، تمھیں پنچایت کے طور طریقے سیکھ لینے چاہیے تھے لیکن تم نے میری بات نہیں مانی، اس لیے آج اپنی عزت دوسرے گاؤں میں رہن رکھ کر تمھیں یہاں واپس آنا پڑا۔ تم نے اپنے ساتھ میری عزت کا خیال بھی نہیں کیا۔''

www.urduchannel.in

ارجن نے بیٹے کو سمجھایا۔

موہن چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''ٹھیک ہے، گھر جا کر ایک چادر اور ایک چھلنی لے آؤ اور میرے ساتھ چلو۔'' ارجن اٹھتے ہوئے بولا۔

موہن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا باپ چادر اور چھلنی کا کیا کرے گا۔

اس نے اندر جا کر اپنی ماں سے ایک چادر اور چھلنی لی اور باپ کے پاس آ گیا

ارجن نے دونوں چیزوں کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور موہن کو ساتھ لے کر گوپال کے گاؤں پہنچا۔ اس نے راستے ہی میں موہن کو پنچایت کے کچھ قاعدوں اور اصولوں سے واقف کرا دیا۔

پنچایت پہلے ہی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس میں گوپال بھی ایک اونچے آسن پر بیٹھا تھا۔ وہ شاید ارجن کے بیٹے کا انتظار کر رہا تھا۔

ارجن اور موہن نے پنچایت سے پانچ قدم دور ہی سے سب پنچوں کو با آواز بلند سلام کیا اور پھر انھوں نے اپنے جوتے اتارے اور سب لوگوں کے درمیان جا بیٹھے۔ کچھ دیر تک دونوں باپ بیٹے پنچوں کی باتیں سنتے رہے، پھر ارجن اٹھ کر کھڑا ہوا۔

''اگر پنچوں کی اجازت ہو تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' ارجن نے عاجزی سے کہا۔

''ہاں ہاں کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ پنچ بول پڑے۔

''میرے بیٹے نے کیا جرم کیا ہے؟'' ارجن نے دریافت کیا۔

''تمھارا بیٹا! اتنے بڑے مکھیا کا بیٹا! اس نے پنچایت میں جوتے نہیں

اتارے۔ پنچوں کو سلام نہیں کیا، لاٹھی کاندھے پر رکھے رکھے، مونچھوں پر تاؤ دیتا رہا۔ اس نے پوری پنچایت کا اپمان کیا ہے۔ اسے ضرور سزا بھگتنی ہوگی۔'' ایک پنچ اٹھ کر بولا۔

''پنچ بھائیو، میرا بیٹا نادان ہے۔ اسے پنچایت کے قاعدے قانون نہیں آتے۔ اب میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گا۔ وہ پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ آپ لوگ تو پنچ پرمیشور ہیں۔ میرے بیٹے کو معاف کر دیں۔'' ارجن پنچوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

گوپال نے ارجن کی سیدھی سادی باتیں سنیں تو وہ سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا نامی مکھیا ہے، یہ کیسی سیدھی سادی باتیں کر رہا ہے۔ لگتا ہے جیسا بیٹا ویسا باپ، یہ بھی مورکھ ہے۔

''تم تو بہت ہوشیار پنچ ہو، اس لیے سب پنچوں کی مرضی ہے کہ تمھارے لڑکے کو سزا ضرور دی جائے۔ اگر تم سامنے رکھی ہوئی ڈلیا میں بھرے بھوسے کی رسی بنا کر دکھا دو تو اپنے لڑکے کو عزت کے ساتھ واپس لے جا سکتے ہو۔ ورنہ تمھیں بھی اپنی لاٹھی اور پگڑی رکھ کر یہاں سے جانا پڑے گا۔'' گوپال نے کہا۔

''ٹھیک ہے پنچ بھائیوں، پنچ پرمیشور ہوتے ہیں۔ اگر پنچوں کا فیصلہ یہی ہے تو میں اسے ضرور مانوں گا، لیکن اس کے لیے مجھے تھوڑا سا پانی چاہیے۔'' کہتے ہوئے ارجن اپنی چادر کھولنے لگا۔

مکھیا کے حکم سے فوراً ہی پانی لایا گیا۔

''پنچ بھائی، آپ اس چھلنی کو پانی سے بھر دیجیے۔'' ارجن نے چادر سے چھلنی نکال کر پنچوں کے سامنے رکھ دی۔

www.urduchannel.in

''کہیں چھلنی میں بھی پانی بھرتا ہے؟'' گوپال بولا۔

''کہیں بھوسے کی بھی رسی بنتی ہے؟'' ارجن نے ویسی ہی آواز میں جواب دیا۔

''گوپال، تم نے بھوسے کی رسی بنانے کی سزا دے کر ایک بڑا جرم کیا ہے، اب تمھیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔''

''مان گئے بھائی ارجن، جیسا میں نے تمھارے بارے میں سنا تھا تمھیں ویسا ہی پایا۔ تم واقعی بڑے عقلمند ہو'' کہتے ہوئے گوپال نے دونوں ہاتھ آگے کی طرف بڑھائے۔

ارجن نے بھی آگے بڑھ کر گوپال کو گلے لگا لیا۔

سچّی دوستی

جنگل میں ایک جھیل کے کنارے ہنس اور ہنسنی کا ایک جوڑا رہا کرتا تھا۔ اسی جھیل میں ایک کچھوا بھی رہتا تھا۔ ہنس اور کچھوے میں گہری دوستی تھی، دونوں دوست دن بھر الگ الگ گھومتے پھرتے اور شام کو جھیل کے کنارے ایک برگد کے نیچے بیٹھ کر گپ شپ کیا کرتے تھے، یہی ان دونوں کا روز کا معمول بن گیا تھا۔

ایک بار جنگل میں ایک شکاری آیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اس کی نظر ہنس پر پڑی تو اس نے راستے ہی میں بہت بڑا جال بچھا دیا اور وہیں ایک پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ شکاری تھکا ہوا تھا اس لیے اسے نیند آ گئی۔

ہنس ہمیشہ کی طرح شام ہوتے ہی جھیل کی طرف چل پڑا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ راستے میں ایک بھیانک مصیبت اس کا انتظار کر رہی ہے، جیسے ہی اس کا پاؤں جال میں پڑا وہ اس میں پھنس گیا۔ اس نے خود کو آزاد کرانے کی بہت کوشش کی، لیکن جس قدر نکلنے کی کوشش کرتا اسی قدر جال میں پھنستا جاتا تھا۔ کچھ ہی دور شکاری پڑا سو رہا تھا ہنس کو اپنی بے بسی پر رونا آ گیا۔

کچھوا اور ہنسنی جھیل کے کنارے ہنس کا انتظار کر رہے تھے، کافی اندھیرا ہو جانے کے باوجود ہنس وہاں نہیں پہنچا تو ہنسنی کے دل میں طرح طرح کے شبہات سر اٹھانے لگے مگر کچھوا اسے ڈھارس بندھاتا رہا۔ تاہم اندھیرا بڑھنے لگا اور ہنس نہیں آیا تو ہنسنی نے گردن اٹھا کر چاند کی طرف دیکھا۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ زور زور سے رونے لگی، پاس ہی کچھوا بیٹھا تھا، اس نے آگے بڑھ کر ہنسنی کے آنسو پونچھے اور ہنس کو تلاش کرنے کی غرض سے جنگل کی طرف چل پڑا۔ کچھوا پیڑ کے نیچے پہنچا ہی تھا کہ سامنے اسے ہنس جال میں پھنسا ہوا دکھائی دیا، کچھوے کو

www.urduchannel.in

دیکھتے ہی ہنس خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے اشارے سے قریب سوتے ہوئے شکاری سے کچھوے کو خبردار کیا اور اسے پورا واقعہ کہہ سنایا۔

کچھوے نے بڑی ہوشیاری سے جال کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اگرچہ اس کے دانت چوہے کی طرح تیز نہیں تھے، تاہم اس نے دھیرے دھیرے صبح تک ہنس کو آزاد کرا لیا۔ ہنس نے تحسین آمیز انداز میں اپنے دوست کی جانب دیکھا اور جھیل کی طرف اڑان بھری۔

ہنس کے پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز سے شکاری کی آنکھ کھل گئی مگر وہ دیکھتا ہی رہ گیا کیوں کہ اس کے سامنے ہنس آزاد ہو کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔

شکاری اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا، تبھی اس کی نظر کٹے ہوئے جال کے نزدیک دھیرے دھیرے زمین پر سرکتے ہوئے کچھوے پر پڑی۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے کچھوے کو اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور جال سمیٹ کر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

ہنسنی برگد پر بیٹھی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے رات میں بہت دیر تک ہنس اور کچھوے کا انتظار کیا تھا اور جب دونوں واپس نہیں آئے تو وہ بھی ان کی تلاش میں نکل کر ابھی چند لمحے پہلے ہی پیڑ پر آ کر بیٹھی تھی۔ اگرچہ رات کی جگار اور سفر کی تھکان کے سبب ہنسنی کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں لیکن جیسے ہی اس نے شکاری کو کچھوا اٹھا کر تھیلے میں رکھتے ہوئے دیکھا، تو اس کی نیند غائب ہو گئی۔ ہنسنی بہت عقلمند تھی، اس نے فوراً اڑان بھری اور جھیل کے قریب اپنے ہنس کے پاس جا پہنچی اور ہانپتے ہوئے اس نے ہنس کو پورا واقعہ سنایا۔

ہنس ابھی ابھی شکاری کی قید سے رہا ہو کر آیا تھا اس لیے ہنسنی کی بات سن کر وہ پھر اداس ہو گیا کیوں کہ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی مگر ہنسنی کچھوے کو آزاد

کرانے کا طریقہ سوچنے لگی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا اور فوراً ہی اس نے ایک منصوبہ بنایا۔ ہنس نے اسی منصوبے کے مطابق اڑان بھری اور گھر کی طرف جاتے ہوئے شکاری کے سامنے کچھ فاصلے پر لنگڑا کر چلنے لگا۔

شکاری نے ہنس کو دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے اپنا تھیلا زمین پر رکھ دیا اور ہنس کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا۔ جیسے ہی شکاری قریب پہنچا ہنس نے پھر اڑان بھری اور آگے بڑھ کر پھر سے لنگڑا کر چلنے لگا۔ وہ شکاری سے اتنا فاصلہ ضرور قائم رکھے ہوئے تھا کہ پکڑا نہ جا سکے۔

ادھر شکاری ہاتھ آتے ہوئے شکار کو جانے نہیں دینا چاہتا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اس لنگڑے ہنس کو جلد ہی پکڑ لے گا لیکن ہنس اتنی چالاکی سے بھاگ رہا تھا کہ بار بار شکاری کے ہاتھ میں آتے آتے رہ جاتا تھا۔ اس طرح ہنس شکاری کو بہت گھنے جنگل میں لے گیا۔ جنگل اتنا گھنا تھا کہ اب شکاری کو پیچھا کرنے میں دشواری پیش آنے لگی۔ ہنس نے جب دیکھا کہ کافی وقت گزر چکا ہے تو اس نے ایک لمبی اڑان بھری اور اس جگہ جا پہنچا جہاں شکاری کا تھیلا رکھا ہوا تھا۔

ادھر ہنسنی نے جیسے ہی شکاری کو ہنس کے پیچھے بھاگتے دیکھا، وہ نیچے اتری اور اپنی چونچ سے تھیلے کی گرہ کو کھولنے لگی۔ شکاری نے بڑی کس کر گرہ باندھی تھی۔ اگرچہ ہنسنی کی چونچ دکھنے لگی مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اپنی کوشش میں مصروف رہی کیوں کہ اس کے سامنے تھیلے میں بند کچھوے کی زندگی کا سوال درپیش تھا۔

آخر کار ہنسنی کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ تھیلے کی گرہ کھلتے ہی کچھوا نکل کر باہر آ گیا۔ سامنے ہی ہنسنی بیٹھی ہانپ رہی تھی۔ اس کی چونچ لہولہان ہو گئی تھی، تبھی اوپر سے ہنس نیچے اتر پڑا۔ اور پھر تینوں نے ایک دوسرے کی جانب پیار بھری نظروں سے دیکھا اور جھیل کی طرف چل دیے۔

www.urduchannel.in

ہنس اور اُلّو

ایک مرتبہ ہنسوں کا ایک جوڑا لمبی اڑان پر نکلا۔ اڑتے اڑتے انھیں شام ہو گئی۔ ہنسنی بہت تھک گئی تھی۔ اس لیے اس نے ہنس سے کہا۔ ''پیارے ہنس، ہماری منزل ابھی بہت دور ہے لیکن اب شام ہو چکی ہے، کیوں نہ ہم تھوڑا سا آرام کر لیں۔''

''ہاں پیاری ہنسنی، تم یقیناً تھک گئی ہوگی۔ میں بھی تھک گیا ہوں، ہم دونوں کسی اچھے مقام پر رات بھر آرام کریں گے اور صبح سویرے ہی پھر اپنا سفر شروع کر دیں گے۔'' اب دونوں نے اپنی پرواز نیچی کر دی، اور اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھا اور اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا، تب ہی ہنس کی نظر ایک بڑے سے درخت پر پڑی اور وہ دونوں اسی پر نیچے اتر آئے۔

اس پیڑ پر ایک اُلّو رہا کرتا تھا۔ اس نے کڑک کر پوچھا۔ ''تم دونوں کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟ چلے جاؤ یہاں سے، اس پیڑ پر میرے علاوہ اور کوئی نہیں رہ سکتا۔''

''میں ہنس ہوں اور یہ میری ہنسنی ہے، ہم لوگ پردیسی ہیں لمبے سفر پر جا رہے ہیں، بہت تھک گئے ہیں۔ رات بھر آرام کر کے صبح سویرے ہی چلے جائیں گے۔'' ہنس نے عاجزی سے کہا۔

''ٹھیک ہے آج کی رات تم یہاں رہ سکتے ہو۔ کل صبح ہوتے ہی چلے جانا۔'' اُلّو نے ہنسوں کو پیڑ پر رات بسر کرنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

دن بھر کا تھکا ہوا ہنس برگد کی ایک موٹی سی ڈال پر بیٹھ کر فوراً ہی سو گیا، ہنسنی بھی اس کے نزدیک ہی سو گئی، لیکن اُلّو کو رات بھر جاگنے کی عادت تھی۔ وہ ایک

دو بار ہنس اور ہنسنی کے قریب گیا بھی لیکن وہ دونوں گہری نیند میں سو رہے تھے۔

صبح جیسے ہی سورج کی کرنیں چمکیں تو اُلّو نے ہنس اور ہنسنی کو جگایا۔ وہ دونوں ہی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔

''اچھا بھائی اُلّو، تم نے رات بھر ہم مسافروں کو پناہ دی، اس لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔'' کہتے ہوئے ہنس نے ہنسنی کو ساتھ لیا اور اڑنے کے لیے اپنے پر پھیلا دیے۔

''ارے ارے ہنس، یہ کیا کر رہے ہو؟ تم میری بیوی کو کہاں لے جا رہے ہو؟ یہ ہنسنی تمھاری نہیں میری بیوی ہے۔ میں نے تمھیں رات بھر تمھارے قیام کے لیے جگہ مہیا کی تھی اور اب تم میری ہی بیوی کو اڑا کر لیے جا رہے ہو؟'' کہتے ہوئے اُلّو نے آگے بڑھ کر ہنس اور ہنسنی کا راستہ روک لیا۔

بیچارے ہنس اور ہنسنی اس ناگہانی آفت سے گھبرا گئے۔ انھوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایک اُلّو ہنسنی کو اپنی بیوی بنانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ہنس اور ہنسنی کو طویل سفر طے کرنا تھا، اس لیے انھوں نے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اُلّو کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''دیکھو بھائی، اُلّو، تمھاری ذات الگ ہے اور ہماری ذات الگ، بھلا ایک ہنسنی تمھاری بیوی کیوں کر ہو سکتی ہے؟'' ہنس نے بڑی انکساری سے کہا۔ لیکن اُلّو پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ ہنس ہنسنی کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا، اسی کشمکش میں دوپہر ہو گئی اس لیے دونوں نے یہ طے کیا کہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے پنچایت بلائی جائے۔

ہنس کے لیے جنگل کے سبھی رہنے والے جانور اور پرند جو پنچوں کے فرائض

www.urduchannel.in

انجام دیتے تھے، اجنبی تھے لیکن اُلّو کی دوستی سبھی کے ساتھ تھی۔ اس لیے اس نے سبھی پنچوں سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے وہ شیر سے ملا اور بولا۔

''دیکھو جنگل کے راجا آج میرے یہاں پنچایت ہے، تمھیں اس میں آنا ہے۔ میں نے ایک ہنسنی کو اپنی بیوی بنایا ہے۔ اس لیے تم میرا ساتھ دوگے، ہنس کا نہیں۔''

''ابے اُلّو، تو کیسی بے تکی بات کرتا ہے؟ میں جنگل کا راجہ ہوں، سرپنچ ہوں، میں انصاف کروں گا، بھلا ایک اُلّو کی بیوی ایک ہنسنی کیسے ہوسکتی ہے؟'' شیر نے غصے سے کہا۔

''شیر جی، ناراض نہ ہوں، میری بات غور سے سنیں۔ اگر آپ نے میری بات نہیں مانی، تو میں آپ کے بچے کے نام کا ایک ڈھیلا کنویں میں ڈال دوں گا، اور آپ جانتے ہی ہیں کہ جیسے جیسے ڈھیلا پانی میں گھلے گا، تمھارا بچہ بھی.....'' الو نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''نہیں نہیں اُلّو بھائی، ایسا مت کرنا، میں تمھارا ساتھ دوں گا، جیسا تم کہو گے ویسا ہی کروں گا۔'' اپنے بچے کی موت کے تصور سے شیر خوف زدہ ہوگیا تھا۔

شیر سے رخصت ہوکر الو جنگل کے دوسرے چھوٹے بڑے جانوروں اور پرندوں کے پاس پہنچا اور سبھی کو اسی طرح ڈرا دھمکا کر اس نے انھیں اپنی حمایت کرنے پر رضامند کرلیا۔

شام ہوتے ہی پنچایت بیٹھ گئی، سب سے پہلے ہنس بولا۔ ''بھائی پنچو، میں اور میری بیوی بہت دور سفر پر جارہے تھے، لمبی اڑان کے سبب تھک جانے اور رات ہوجانے کی وجہ سے ہم دونوں برگد پر آرام کرنے کے لیے ٹھہر گئے، مگر صبح ہوتے

ہی جب ہم اپنے سفر پر دوبارہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہوئے تو اُلّو نے حق جتایا کہ ہنسنی میری نہیں بلکہ اس کی بیوی ہے۔ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ کہیں ایک ہنسنی بھی اُلّو کی بیوی ہوسکتی ہے؟''

ہنس کے بعد اُلّو نے اپنی بات کہی۔ ''دیکھو بھائی پنچو، یہ ہنس اکیلا ہی کہیں سے کل شام یہاں آیا تھا۔ اس نے مجھسے رات بھر کے لیے پیڑ پر آرام کرنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اسے رات بھر اپنے پیڑ پر سلایا۔ مگر صبح یہ اپنے ساتھ میری بیوی کو بھی لے جانے لگا۔ تو میں نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔ اب آپ ہی ہمارا فیصلہ کردیجیے۔''

سارے پنچ جو پہلے ہی سے خوف زدہ تھے، انھوں نے بغیر زیادہ بات کیے ہی فیصلہ کردیا اور سبھی نے ایک زبان ہوکر کہا۔ ''بھائی ہنس تم تنہا ہی آئے تھے اس لیے تنہا ہی چلے جاؤ۔ اُلّو کی بیگم ہنسنی اسی کے ساتھ رہے گی۔''

پنچوں کا فیصلہ سن کر ہنس بڑا غمگین ہوا، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ پنچ نا انصافی بھی کرسکتے ہیں۔ وہ تو پنچوں کو پرمیشور مانتا تھا۔ ہنسنی سے جدا ہونے کا تصور کرکے ہنس رو پڑا اور بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔

''اٹھو ہنس، یہ رہی تمھاری ہنسنی۔ آج رات تم ہمارے مہمان بن کر رہو۔ کل صبح اپنا سفر شروع کرنا۔'' اچانک اُلّو کے یہ الفاظ ہنس کے کانوں میں پڑے تو اسے یقین ہی نہیں آیا مگر جب اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو واقعی اُلّو کہہ رہا تھا کہ ''بھائی ہنس کہیں ہنسنی بھی اُلّو کی بیوی ہوسکتی ہے؟ یہ حقیقت تو سارے پنچ بھی جانتے ہیں۔ دراصل میں نے پنچوں کو ڈرا دیا تھا، اس لیے وہ ہنسنی کو میری بیوی ثابت کرکے چلے گئے۔ تم بہت سیدھے ہو کہ تم نے مجھ جیسے اجنبی پر بھروسا کیا۔

www.urduchannel.in

تمھیں لمبا سفر طے کرنا ہے۔ آج کے زمانے میں قدم قدم پر خطرہ ہے، جس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ میں نے یہ سب کچھ محض تمھیں خبردار کرنے کے لیے کیا تھا کہ آج کل انصاف کرنے والے بھی ڈر اور دباؤ میں آکر انصاف کے بجائے نا انصافی کر رہے ہیں، اس لیے تم بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ آگے کا سفر کرنا۔''

ہنس نے اُلّو کی بات کو بڑے غور سے سنا۔ پاس ہی ہنسنی کھڑی تھی۔ اُلّو کی صاف اور سچی بات نے ہنس کا دل موہ لیا۔

ہنس اور ہنسنی رات بھر اُلّو کے مہمان بن کر رہے اور پھر دوسرے دن صبح سویرے اُس سے رخصت ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

عزت کا پاس

کسی گاؤں میں دھنی رام نامی ایک مہاجن رہتا تھا۔ وہ بہت چالاک اور بے ایمان ہونے کے باوجود ایماندار اور انصاف پسند ہونے کی نمائش کرتا تھا۔ وہ گاؤں کے بھولے بھالے غریب کسانوں کا بڑی بے رحمی سے استحصال کرتا تھا۔ بیشتر غریب کسانوں کی زمین، زیور اور مکان اس کے پاس رہن تھے۔ ابتدا میں دھنی رام خود غریب تھا، لیکن اپنی چالاکی اور بے ایمانی کے سبب گاؤں کا سب سے دولت مند آدمی بن گیا تھا۔ اُس کے پاس خشک سالی، قحط، سیلاب، دکھ بیماری کے وقت لاچار اور پریشان حال کسان قرض لینے آتے تو وہ فوراً انھیں اناج، کپڑا یا نقد روپے دے دیتا اور اس کے عوض ان کی زمین یا زیور کو رہن رکھ لیتا تھا۔ دھنی رام زمین کو رہن رکھتے وقت پہلی شرط یہی رکھتا تھا کہ جُتائی۔ بوائی کا کام تو غریب کسان کرے گا۔ لیکن فصل پر اس کا خود کا حق ہوگا۔ بیچارے غریب کسان مجبوراً اس کی شرط مان لیتے لیکن بعد میں پچھتاتے تھے۔ اگر کوئی کسان سخت محنت مزدوری کے بعد تھوڑا روپیہ پیسہ جمع کر لیتا اور کسی طرح اپنی زمین واپس لینا چاہتا تو دھنی رام کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ان سے جھگڑتا اور غریب کسان مجبور ہو کر پنچایت بلاتا تو دھنی رام تو اپنے پیسے کے بل پر کبھی پنچوں کو بدلوا دیتا تو کبھی پنچایت کا مقام تبدیل کرا دیتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں کے سبب پنچایت کسی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہتی اور کوئی فیصلہ نہیں کر پاتی تھی۔ دراصل دھنی رام نے کچھ پنچوں کو خرید رکھا تھا، جو اس کی حمایت میں ایسی دلیلیں پیش کرتے تھے کہ معاملہ الجھ جاتا اور کچھ بھی فیصلہ نہیں ہو پاتا تھا۔ بیشتر پنچ غیر جانبدار اور ایماندار ہوتے ہوئے بھی لاچار تھے۔ بیچارہ غریب کسان طویل عرصے تک پنچایت میں الجھا رہنے کی وجہ سے اپنی روزی بھی نہیں کما سکتا تھا۔ اسے مزید

www.urduchannel.in

قرض لینا پڑتا تھا، جس سے اس کی پریشانیاں بڑھتی چلی جاتی تھیں اور ایک وقت وہ آجاتا تھا کہ وہ بالکل ٹوٹ جاتا تھا اور اپنی زمین جائداد سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا اور دھنی رام کی بیگار کا مزدور بن کر رہ جاتا تھا۔ اس طرح گاؤں کے آدھے سے زیادہ کسان اپنی زمین کھو کر دھنی رام کے غلام بن چکے تھے۔ دھنی رام ان سے جانوروں کی طرح کام کرواتا۔ وہ اُن سے خود اُن ہی کے کھیتوں پر محنت کرواتا اور فصل کا پورا حصہ خود ہڑپ جاتا تھا۔

دھنی رام کے ظلم وستم کی داستانیں آس پاس کے دیہاتوں میں بھی پھیل چکی تھیں۔ ایک دن دور کے ایک گاؤں کے ایک بوڑھے کسان ارجن کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی۔ وہ غیر جانبدار اور دور اندیش شخص تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ظالم دھنی رام کے مظالم کو روکنے کی پوری کوشش کرے گا۔

دھنی رام مالدار ہونے کے بعد اب مکھیا بننے کے خواب بھی دیکھنے لگا تھا لیکن مکھیا ہونے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے گاؤں کے سبھی لوگوں کا اعتماد حاصل ہو اور اس پر عائد کردہ کوئی جرم ثابت نہ ہوا ہو۔ دھنی رام اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا تھا۔ اس لیے اس نے بظاہر اپنا رہن سہن بدل ڈالا اور ایک نیک انسان اور باعزت آدمی کی طرح رہنے لگا۔

دھنی رام اور ایک کسان کے درمیان کافی دنوں سے ایک تنازعہ جاری تھا۔ کسان نے کسی وجہ سے اس کے پاس اپنی زمین رکھ کر کچھ روپے قرض لیے تھے۔ دھنی رام اپنی شرط کے مطابق کسان سے زمین پر کام کرواتا اور فصل تیار ہونے پر اپنے آدمی کو بھیج کر سارا اناج منگوا لیتا تھا۔

کسان اس کی چال سمجھ گیا۔ اس شرط کے مطابق وہ کبھی دھنی رام کا قرض ادا

نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ایک دن اپنے گھر کے لوگوں سے مشورہ کیا اور طے کیا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پردیس میں کمانے کے لیے بھیج دے گا۔ اگلے دن اس کے دونوں بیٹے پردیس کے لیے روانہ ہو گئے۔ خدا نے ان کی مدد کی اور وہ جلد ہی کافی مال، دولت کما کر واپس آ گئے اور انھوں نے ساری کمائی اپنے بوڑھے باپ کی خدمت میں پیش کر دی۔

بوڑھا کسان روپے لے کر اپنی زمین واپس حاصل کرنے کے لیے دھنی رام کے پاس پہنچا۔ جس کی دھنی رام کو قطعی امید نہ تھی۔ اُسے کسان کے پاس اتنی دولت دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ بوڑھے کسان نے اپنی پوری داستان اسے سنا دی اور روپے ادا کر کے اس سے اپنی زمین واپس مانگی۔

دھنی رام جو مکھیا بننے کے لیے بظاہر ایمانداری کا ناٹک کر رہا تھا۔ دل سے بڑا بے ایمان تھا۔ اس نے بوڑھے کسان سے روپے لے لیے اور یہ کہہ کر زمین واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ زمین کے ساتھ پورا خاندان بھی اس کے پاس رہن تھا۔ اس لیے کسان کے دونوں لڑکوں کو پورا قرض چکائے بغیر پردیس کمانے کے لیے نہیں جانا چاہیے تھا، لیکن اگر وہ چلے بھی گئے تھے تو ان کی پوری کمائی پر بھی اسی کا حق تھا۔

یہ سن کر کسان پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ زور زور سے رونے اور چلانے لگا۔ ایک تو اس کی ساری زمین دھنی رام نے ہڑپ کر لی تھی اب اس کے بیٹوں کی محنت کی کمائی بھی ہڑپنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کسان کا رونا چلانا سن کر دھنی رام کو غصہ آ گیا، وہ بھی چیخنے چلانے لگا۔

دونوں کی چیخ پکار سن کر آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے، آخر کار پنچایت بلانے

www.urduchannel.in

کا فیصلہ کیا گیا۔ بیچارہ کسان پہلے ہی زمین کے لیے کئی سال سے پنچایت کر رہا تھا۔ اب ان روپیوں کے لیے جو اس کے بیٹے کما کر لائے تھے اور جنھیں دھنی رام ہضم کر لینا چاہتا تھا۔ پنچایت بلائے جانے کی بات سن کر وہ ٹوٹ گیا۔ کسی طرح گرتے پڑتے وہ ارجن کے گاؤں جا پہنچا۔

دھنی رام پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسے اپنی دولت پر گھمنڈ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پنچایت اس کا کچھ نہیں گاڑ سکتی کیوں کہ وہ اتنے لمبے عرصے تک پنچایت کو طول دے گا کہ کسان کو لاچار ہو کر اسی کے دامن میں پناہ لینی پڑے گی۔

ادھر ارجن نے بوڑھے کسان کی باتیں بڑے غور سے سُنیں اور اسے کامیابی کا یقین دلا کر رخصت کیا، وہ تو پہلے ہی سے دھنی رام کی پنچایت میں جانے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہا تھا۔

مقررہ دن گاؤں کے باہر گھنے برگد کے نیچے پنچایت بیٹھی۔ آج کی پنچایت میں کافی تعداد میں لوگ آئے تھے۔ گاؤں والوں کو نہ جانے کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ پنچایت میں مکھیا پنچ ارجن آ رہا تھا۔ اسی لیے ارجن کو دیکھنے کی غرض سے بڑی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ پنچوں کے آ جانے کے بعد پنچایت شروع ہوئی۔ دھنی رام اور بوڑھا کسان بھی ایک طرف اپنے پنچوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

''بھائی، تم پوری بات بتاؤ؟'' مکھیا پنچ ارجن بوڑھے کسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''پنچو، میں نے مصیبت پڑنے پر دھنی رام کے پاس زمین رکھ کر روپیہ لیا تھا۔ میرے بیٹوں نے پردیس جا کر روپیہ کمایا۔ جب میں روپیہ لے کر دھنی رام کے پاس پہنچا تو اس نے روپیہ رکھ لیا مگر زمین نہیں دی۔ وہ کہتا ہے کہ صرف زمین ہی

نہیں بلکہ گھر کے سارے آدمی بھی رہن میں شامل ہیں۔'' کہتے کہتے بوڑھا کسان رونے لگا۔

''مہاجن، اب تم اپنی بات کہو۔'' ارجن نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''میں نے یہ شرط پہلے ہی رکھ دی تھی۔'' دھنی رام نے فخریہ انداز میں کہا۔

''اس کی زمین سے متعلق پنچایت کب سے چل رہی ہے؟'' ارجن نے دھنی رام سے سوال کیا۔

''کئی برس سے'' دھنی رام نے جواب دیا۔ دراصل ارجن کے رعب دار لہجے اور اس کی سنجیدگی سے وہ گھبرانے لگا تھا۔

''کیا تم عزت دار آدمی ہو؟'' ارجن نے سوال کیا۔ اس کے چہرے پر پر اسرار مسکراہٹ تھی۔

''ہاں پنچ بھائیو۔ سبھی جانتے ہیں کہ میں عزت دار آدمی ہوں، میں تو اتنا عزت دار ہوں کہ مکھیا بھی بن سکتا ہوں۔'' دھنی رام بہت سنبھل کر بولا۔

''کیا ایک ہی معاملے کا ایک بار میں فیصلہ نہ کر کے بار بار پنچایت بلانا عزت کی بات ہے؟'' ارجن نے پنچوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... نہیں..... بالکل نہیں۔'' سبھی پنچ ایک ساتھ بول پڑے۔

دھنی رام کی حالت اب دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ارجن نے ایک ہی سوال کر کے اسے اپنی عزت کی حقیقت سے واقف کرا دیا تھا۔

''پنچو، جتنی بار پنچایت ہوتی ہے، اتنی ہی بار دونوں فریقوں کی اچھی بری باتیں سب کے سامنے رکھی جاتی ہیں۔ اس سے دونوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ بار بار بے عزت ہونا اچھی بات نہیں، اس لیے ایک ہی پنچایت میں

www.urduchannel.in

فیصلہ ہو جانا چاہیے۔'' ارجن پُر اعتماد لہجے اور باوقار انداز میں مخاطب ہوا۔

ارجن کی دلیل میں اتنا وزن تھا کہ گاؤں کے سبھی لوگوں اور پنچوں کو اسے تسلیم کرنا پڑا۔ دھنی رام کی اصلیت اب سب پر اجاگر ہو چکی تھی۔ وہ اپنے کیے پر نادم تھا اور پچھتا رہا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے پاس رہن رکھی ہوئی زمینیں غریب کسانوں کو واپس کر دیں اور انھیں ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا۔

غریب کسانوں میں اب ایک نیا جوش اور اعتماد پیدا ہو گیا۔ اب وہ دھنی رام سے ایک ایک ظلم کا حساب کرنا چاہتے تھے لیکن رات کے اندھیرے میں وہ بغیر کسی سے کچھ کہے سنے گاؤں چھوڑ کر کہیں دور چلا گیا۔

بلّی کی بددعا

ہزاروں سال پہلے کی بات ہے، جب دنیا میں کہیں بھی شہر یا گاؤں نہیں تھے اور انسان جانوروں کی طرح جنگل ہی میں رہتے تھے۔ ہر بڑا اور طاقتور جانور جب چاہتا اپنے سے چھوٹے جاندار کو کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا تھا۔ دراصل جنگل میں اسی کی حکومت ہوتی تھی جو طاقتور ہوتا تھا۔ بڑے بڑے طاقتور جانور سینہ تان کر گھومتے اور چھوٹے اور کمزور جانور اپنی حفاظت کے لیے اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے تھے۔

ایک بار ایک شیرنی نے بچے کو جنم دیا۔ شیرنی بہادر ہونے کے ساتھ ہی عقلمند بھی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر اس کا بچہ عقلمند اور ماہر شکاری بن جائے تو وہ جنگل کا راجہ بن سکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیر اتنے ڈرپوک ہوا کرتے تھے کہ سیار تک انھیں مار کر کھا جاتے تھے، اس لیے ایک شیر کو جنگل کا راجہ بنانا آسان کام نہیں تھا۔

شیرنی اپنی دھن میں لگ گئی۔ وہ اپنے بچے سے چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرواتی اور بھول کر بھی اسے گھاس کا تنکا تک منہ میں نہ رکھنے دیتی تھی۔ اس طرح شیرنی کا سارا وقت اپنے بچے کی تربیت میں گزرتا گیا اور دھیرے دھیرے بچہ بڑا ہو گیا۔ شیرنی کی خصوصی توجہ اور تربیت نے اسے نڈر، خونخوار اور باہمت بنا دیا تھا۔ جسمانی طور پر بھی وہ بیحد طاقتور تھا۔ اب وہ خود بخود چھوٹے چھوٹے شکار کرتا اور شیرنی کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ شیرنی خوش ہو جاتی لیکن وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔ وہ تو اپنے بچے کو جنگل کا راجہ بنانا چاہتی تھی۔

ایک دن شیرنی کے بچے نے جواب قدآور شیر بن چکا تھا، ایک ہرن مارا اور اسے اپنے دانتوں میں دبائے ہوئے اپنی ماں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، شیرنی

www.urduchannel.in

نے اس کی طرف دیکھا اور اداس ہوگئی۔

''کیا بات ہے ماں؟ تم میرے شکار کو دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں۔''

شیر نے ہرن کو زمین پر پھینکتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

''نہیں بیٹا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو جب بھی تجھے شکار کرتا ہوا دیکھتی ہوں تو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ لیکن .....'' کہتے ہوئے شیرنی رک گئی۔ ''لیکن کیا ماں؟ پوری بات کہو۔ لگتا ہے تمہیں کوئی بڑا دکھ پہنچا ہے۔'' قد آور شیر اپنی ماں کے بالکل قریب آ گیا۔

''نہیں بیٹا، مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔ میری تو صرف ایک آرزو ہے کہ میں تجھے جنگل کا راجا بنانا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تو اس جنگل کا سب سے طاقتور، نڈر اور خونخوار شکاری بنے اور جنگل پر راج کرے۔ تیری آواز سے جنگل کانپ اٹھے۔ بڑے بڑے درندے تیرے ڈر سے کانپنے لگیں اور جدھر سے تو گزرے لوگ کہیں کہ دیکھو۔ جنگل کا راجہ شیر جا رہا ہے۔'' کہتے کہتے شیرنی جذبات کے سیلاب میں بہنے لگی۔

''ماں، میں بھی جنگل کا راجہ بننا چاہتا ہوں، مجھ میں طاقت ہے، حوصلہ ہے، لیکن بس ایک بات کی کمی ہے۔ مجھے شکار کرنے کا ہنر نہیں آتا، چھوٹے بڑے جانور میرے سامنے سے بھاگ جاتے ہیں۔ اگر مجھے شکار کرنے کا ہنر آ جائے تو میں جنگل کا راجا بن سکتا ہوں۔'' شیر نے اپنی کمزوری ماں پر ظاہر کر دی۔

''بیٹا، اس کام میں بلّی تمہاری مدد کر سکتی ہے۔ وہ دیکھنے میں چھوٹی ضرور ہے، لیکن اسے شکار کے سب طریقے آتے ہیں۔ وہ شکار کے فن میں ماہر ہے۔ اگر بلّی تمہاری مدد کرے تو تم کامیاب شکاری بن سکتے ہو۔'' شیرنی نے مشورہ دیا۔

دوسرے دن شیر نے جنگل میں بلی کو تلاش کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے ایک پتھر کے قریب چوہا کھاتی ہوئی بلی مل گئی۔ ''خالہ بلی، آداب۔'' شیر نے بلّی کو دیکھتے ہی دور سے سلام کیا۔

''کہو بیٹا، کیسے آئے؟'' بلّی نے شیر کو بڑے پیار سے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''خالہ..... بات یہ ہے کہ میں.....'' شیر اپنے دل کی بات کہنے میں جھجک رہا تھا۔

''بیٹا، تم تکلف نہ کرو۔ جو بات ہو مجھے سچ سچ بتا دو، اگر میرے لائق کوئی کام ہوگا تو میں ضرور تمھاری مدد کروں گی۔'' بلّی نے پیار سے پچکارتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی۔ شیر نے خالہ بلی کو اپنے دل کی بات بتا دی۔ خالہ بلی کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے سوچا، شیر طاقتور ہے، باہمت ہے، اگر وہ جنگل کا راجہ بن گیا تو سب جانوروں کی حفاظت کرے گا۔ پھر اس نے اسے خالہ بنایا تھا، اس لیے اسے اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔ وہ شیر کو شکار کرنے کا فن سکھانے کے لیے بخوشی تیار ہو گئی۔

دوسرے دن سے شیر ہر روز خالہ بلّی کے پاس پہنچ جاتا اور بلّی اسے لے کر گھنے جنگل میں چلی جاتی اور شکار کرنا سکھاتی۔ اسی طرح ایک سال بیت گیا۔ اب شیر جنگل کا سب سے بڑا شکاری بن گیا اور جنگل کے ہر قسم کے جانوروں کا شکار بڑی آسانی سے کرنے لگا۔

ایک دن اس نے ایک ہاتھی کا شکار کیا۔ بلّی دور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اچھلتی کودتی آئی اور خوشی سے چیخ پڑی۔ ''بیٹا شیر، اب تم پکے شکاری بن گئے ہو بلکہ سب سے بڑے شکاری بن گئے ہو، اب تم جنگل کے راجہ کہلائے جاؤ گے۔''

www.urduchannel.in

شیر کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ خالہ بلّی کو لے کر اپنی ماں کے پاس پہنچا۔ شیرنی اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

''ماں، خالہ بلّی کہتی ہیں کہ میں شکاری بن گیا ہوں، جنگل کا راجہ بن گیا ہوں۔ اب تو تمھاری آرزو پوری ہوگئی؟ اب تو تمہیں بڑی خوشی ہو رہی ہوگی؟'' ماں کو دیکھتے ہی شیر نے اپنی بات خوشی خوشی کہہ ڈالی۔

''نہیں بیٹا، ابھی تو سب سے بڑا شکاری نہیں بنا ہے۔ دیکھتا نہیں، خالہ بلّی تیرے سامنے موجود ہے۔ اسی سے تو نے شکار کا فن سیکھا ہے۔ بھلا سکھانے والے سے سیکھنے والا کیسے بڑا ہوسکتا ہے؟'' شیرنی نے پراثر انداز میں کہا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں ماں! تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' شیر کی سمجھ میں ماں کی بات بالکل نہیں آرہی تھی۔

بلی ایک طرف بیٹھی تھی۔ اُسے شیرنی کا سلوک اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''بیٹا، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، تو ناسمجھ ہے۔ میرا اشارہ سمجھا نہیں۔ بلّی تجھ سے بڑی شکاری ہے۔ اگر تجھے سب سے بڑا شکاری اور جنگل کا راجہ بننا ہے تو پہلے اپنی خالہ بلی کا شکار کر۔'' کہتے ہوئے وہ خود بلّی کی جانب بڑھی۔ شیر نے بھی بلی پر چھلانگ لگا دی، لیکن بلی پہلے سے ہی ہوشیار تھیں۔ اس نے فوراً دوڑ لگائی اور ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گئی۔ شیر نیچے کھڑا رہ گیا۔

''ارے خالہ، تم نے مجھے پیڑ پر چڑھنا تو سکھایا ہی نہیں۔'' شیر نے بھولا بھولا منہ بنا کر کہا۔

''بیٹا، اگر میں تمھیں پیڑ پر چڑھنا سکھا دیتی تو آج میری جان نہیں بچ سکتی تھی۔'' بلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شیر بیٹا، میں نے تجھے غلط سمجھا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ تو جنگل کا راجہ بن کر سبھی جانوروں کی حفاظت کرے گا، لیکن اب سمجھ میں آ گیا کہ تو تو جنگل کے جانوروں کو مار مار کر اپنا پیٹ بھرے گا۔ جا میں تجھے بددعا دیتی ہوں کہ سارے جانوروں کا شکار کرنے والا ہو کر بھی تو ہمیشہ انسان کا شکار ہوتا رہے گا اور کبھی پیڑ پر نہیں چڑھ سکے گا۔''

موگھیا دوشیزائیں

www.urduchannel.in

انصاف پسند راجا

بہت پہلے کی بات ہے کہ کہیں ایک راجا راج کرتا تھا۔ وہ بڑا نیک ایماندار اور انصاف پسند تھا۔ وہ پرجا کے سکھ کو اپنا سکھ اور پرجا کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا تھا۔ اس کا وزیر بھی بڑا ہوشیار اور عقلمند تھا۔ غرض یہ کہ وہ دونوں ہی عوام سے بڑی محبت کرتے تھے۔ عوام بھی انھیں بھگوان کی طرح پوجتے تھے۔ راجا اور وزیر دونوں بھیس بدل کر اپنے راج کی غریب بستیوں میں جاتے، لوگوں کے مسائل سے واقفیت حاصل کرتے اور دوسرے ہی دن انھیں حل کر دیتے تھے۔ اس طرح راجا اور وزیر کی شہرت آس پاس کی دوسری ریاستوں تک پھیل رہی تھی۔

ایک دن اچانک وزیر کا انتقال ہو گیا۔ راجا کو بڑی شدت سے اس کی کمی کا احساس ہونے لگا۔ اب وہ اپنی پرجا کی پہلے جیسی دیکھ بھال نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ اداس رہنے لگا۔ اس کے دربار میں بہت سے لائق سردار تھے، لیکن سب ہی شاہی شان و شوکت کے دلدادہ تھے۔ وہ اونچے اونچے آدرشوں کی بات تو کرتے تھے لیکن عوام کی بے لوث خدمت انجام دینا ان کے بس کی بات نہ تھی، اس لیے ایک دن راجا نے طے کیا کہ وہ کسی ایسے نئے آدمی کو اپنا وزیر بنائے گا جو قابل، ایماندار اور عقل مند ہونے کے ساتھ ساتھ رعایا کی مشکلوں کو دور کرنے میں سچے دل سے اس کا ساتھ دے سکے۔

راجا بیحد انصاف پسند تھا۔ وہ باہر کے آدمی کو وزیر تو بنانا چاہتا تھا لیکن اپنے دربار کے دانشوروں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے اپنے سپہ سالار کو بلا کر حکم دیا کہ ساری ریاست میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ راج گھرانے کا یا عام جنتا کا جو بھی آدمی وزیر بننے کی لیاقت رکھتا ہو وہ شہر کے بڑے کھیل کے میدان

میں حاضر ہو جائے تاکہ راج منتری کا چناؤ راج دربار میں نہ ہو کر، عام جنتا کے روبرو میدان میں ہو۔

سپہ سالار نے اپنے سپاہیوں کی مدد سے ریاست کے سبھی شہری، دیہاتی اور جنگلی علاقوں میں شاہی فرمان پہنچا دیا۔ ریاست کے عوام خوش تھے کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ انصاف پسند راجا بلاشبہ کسی لائق وزیر ہی کا تقرر کرے گا۔

تیسرے دن صبح سویرے ہی شہر کے بڑے کشادہ مقام پر بے شمار لوگ جمع ہو گئے اور دن چڑھتے چڑھتے تو راج دربار کے دانشوروں، شاعروں، ادیبوں، موسیقاروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے تعلقدار بھی اکٹھا ہونے لگے۔ مقررہ وقت پر راجا بھی میدان میں آ پہنچا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اس کے ساتھ صرف اس کا سپہ سالار تھا۔ کیوں کہ ویسے بھی راجا کبھی اپنے ساتھ کوئی محافظ فوجی دستہ نہیں رکھتا تھا۔ راجا کی آمد پر سبھی لوگوں نے کھڑے ہو کر اس کی جے جے کار کی۔ سب کا سلام قبول کرتے ہوئے راجا مسند نشین ہو گیا۔

''سپہ سالارِ اعظم'' راجا سنجیدہ لہجہ میں سپہ سالار سے مخاطب ہوا۔

''جی مہاراج'' سپہ سالار اُٹھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

''وزیر کے عہدے کے لیے کتنے امیدوار آئے ہیں۔'' راجا نے سوال کیا۔

''مہاراج، صرف دو امیدوار آئے ہیں۔'' سپہ سالار نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''ان دونوں امیدواروں کا تعارف کرایئے۔'' راجا کی نظر سپہ سالار پر مرکوز تھی۔

''مہاراج! پہلے امیدوار اپنے راج دربار ہی کے پنڈت شری دھر ہیں۔

www.urduchannel.in

انھیں آپ جانتے ہی ہیں اور دوسرا.....'' سپہ سالار نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے دوسرے شخص کا تعارف کرانے میں اسے کچھ تردّد ہو رہا ہو۔

''سپہ سالار آپ رُک کیوں گئے، دوسرے امیدوار کا بھی تعارف کرایئے۔''

راجا کی آواز سنجیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ تلخ بھی ہوگئی۔

''جی مہاراج۔'' جان کی اماں پاؤں کہ دوسرا شخص ایک اچھوت آدی واسی ہے۔'' سپہ سالار نے گھبراتے ہوئے جلدی سے جملہ پورا کیا۔

''سپہ سالارِ اعظم اچھوت ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔ سبھی انسان خدا کی مخلوق ہیں، ہمیں ایک قابل اور عوام کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے شخص کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ شاہی خاندان کا ہو یا اچھوت آدی واسی''۔ راجا نے سپہ سالار کو سمجھایا۔

یہ سن کر عوام نے پھر راجا کی جے جے کار کی۔

'راج پُرش پنڈت شری دھر کو عزت واحترام کے ساتھ عوام کے روبرو پیش کیا جائے۔'' راجا نے حکم دیا۔

پنڈت شری دھر پاس ہی براجمان تھے، وہ فوراً اٹھ کر راجا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر ادب کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔

''پنڈت جی! آپ وزیر بننا چاہتے ہیں؟'' راجا نے سوال کیا۔

''جی مہاراج!'' پنڈت جی کے لہجے میں اپنی ذات کی برتری کا غرور شامل تھا۔

''ٹھیک ہے! آپ میرے تین سوالوں کے جواب دیجیے، اگر ہماری پرجا

آپ کے جوابات سے مطمئن ہوگی، تو یقیناً آپ ہمارے وزیر بن جائیں گے۔''

''بہتر ہے مہاراج، آپ سوال پوچھیے میں جواب کے لیے تیار ہوں۔ میں برہمن ہوں، راج پنڈت ہوں۔ بھلا مجھسے زیادہ لائق شخص آپ کے راج میں اور کون ہوسکتا ہے؟'' پنڈت شری دھر سینہ تان کر سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہوگئے، راجا نے پنڈت شری دھر کو عجیب انداز سے دیکھا اور پھر ان سے سنجیدہ لہجے میں مخاطب ہوا۔'' پنڈت شری دھر جی، میرا پہلا سوال یہ ہے کہ دنیا میں سب سے اچھا پھل کون سا ہے اور کیوں؟''

''مہاراج، دنیا میں سب سے اچھا پھل آم ہے، کیوں کہ جھوٹا ہونے پر بھی اسے بار بار چوسا جاتا ہے۔ پنڈت شری دھر نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

''دنیا میں سب سے اچھا پھول کون سا ہے اور کیوں؟'' راجا نے دوسرا سوال کیا۔

''مہاراج! دنیا میں سب سے اچھا پھول گلاب کا ہے، کیوں کہ اس کی مہک سے سارا ماحول خوشبو دار ہو جاتا ہے۔'' پنڈت شری دھر نے پھر فخریہ انداز میں جواب دیا۔

''دنیا میں سب سے اچھا جل کون سا ہوتا ہے اور کیوں؟'' راجا نے تیسرا سوال کیا۔

''مہاراج! دنیا میں سب سے اچھا جل گنگا جل ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے سب پاک صاف ہو جاتا ہے۔'' پنڈت جی نے سر اونچا اٹھا کر جواب دیا۔

راجا گمبھیر تھا اور پرجا خاموش تھی۔ راجا کے سوال سیدھے سادھے تھے لیکن ان کا کوئی اور بھی جواب ہوسکتا تھا۔

www.urduchannel.in

''اب دوسرے امیدوار کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔'' راجا کی پروقار آواز گونجی۔

سپہ سالار نے قریب کھڑی ہوئی رعایا میں سے ایک شخص کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔

ایک تندرست و توانا اکہرے جسم کا سانولا سا نوجوان راجا کے سامنے بڑے ادب کے ساتھ حاضر ہوگیا۔ راجا نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ دیکھنے میں بھی بے حد سادہ اور معمولی سا آدمی نظر آرہا تھا۔ اس کے جسم پر پوری طرح پوشاک بھی نہیں تھی، نہ ہی اس کے پاؤں میں جوتے تھے لیکن اس کی آنکھوں میں حیرت انگیز چمک تھی اور چہرے سے خوداعتمادی کے آثار جھلک رہے تھے۔

''نوجوان، تم ہمارے وزیر بننا چاہتے ہو، تاکہ شاہی ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہ سکو۔'' راجا نے سوال کیا۔

''نہیں مہاراج! میں تو بیماروں، اپاہجوں، بوڑھوں اور غریبوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، جنگلوں میں رہنے والے لوگ کبھی شاہی شان وشوکت کی آرزو نہیں رکھتے۔'' نوجوان نے بڑی عاجزی سے جواب دیا۔

نوجوان کی بات سن کر عوام میں چہ مہ گوئیاں ہونے لگیں۔

''ٹھیک ہے! تم نے ہمارے تینوں سوال سن ہی لیے ہوں گے۔ کیا تم ان کے جواب دے سکتے ہو؟'' راجا کی گمبھیر آواز گونجی اور پرجا خاموش ہوگئی۔

''جی مہاراج! میرے خیال میں پھلوں میں سب سے بہتر پھل 'پتر' پھل ہے، کیوں کہ یہ بڑھاپے میں خدمت ہی نہیں کرتا بلکہ خاندان اور ریاست کی ترقی میں مددگار بھی ثابت ہوتا ہے۔

پھولوں میں سب سے اچھا پھول بنولے کا ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے نکلی ہوئی کپاس سے لوگ کپڑا بنا کر اپنا تن ڈھانپتے ہیں۔

اور جل میں سب سے اچھا جل 'اندر جل' ہوتا ہے، کیوں کہ اسی سے ہمارے کھیتوں میں اناج پیدا ہوتا ہے، جس سے راجا اور پرجا سب ہی کے پیٹ بھرتے ہیں۔''

نوجوان کا جواب سن کر راجا اپنی مسند سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے آدی واسی کو گلے لگا لیا، اور سامنے کھڑی جنتا، راجا کے ساتھ ہی نئے وزیر کی بھی جے جے کار کرنے لگی۔

www.urduchannel.in

بیا اور بندر

کسی گھنے جنگل میں ایک بیا رہتی تھی اس نے ندی کے کنارے ایک درخت کی شاخ پر خوبصورت اور مضبوط گھونسلا بنایا تھا، جو اس قدر اچھا تھا کہ جنگل کے دوسرے پرندے دور دور سے اسے دیکھنے آتے اور بیا اور اس کے گھونسلے کی تعریف کرتے تھے۔

بیا کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ وہ ہر روز پاس کے کھیتوں تک جاتی، کچھ دانے خود چگتی اور کچھ دانے اپنی چونچ میں بھر کر لاتی اور اپنے بچوں کی ننھی سی چونچ میں رکھ دیتی۔ اسے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ننھی چونچ سے دانا کھانا بہت بھلا لگتا تھا۔ دونوں بچے بڑے پیار سے بیا کے لائے ہوئے دانے کھاتے اور خوبصورت سے نرم نرم گھونسلے میں آرام کرتے اور کبھی کبھی بیا کے بنائے ہوئے جھولے پر جھولتے بھی تھے۔ اسی طرح بچے بڑے ہونے لگے۔

اگست کا مہینہ تھا، اچانک تیز بارش شروع ہونے لگی۔ بیا قریب ہی دانے چگ رہی تھی۔ وہ فوراً اپنے گھونسلے تک جا پہنچی، جہاں دونوں بچے بڑے آرام سے چھوٹے سے گھونسلے میں ایک دوسرے کو چونچ مار مار کر کھیل رہے تھے۔ بیا خوش ہوگئی اور بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔ کچھ دیر بعد بچے تھک کر سو گئے۔ بارش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تبھی بیا کی نظر پاس کے ایک درخت پر بیٹھے ہوئے بندر پر پڑی۔ وہ اپنی بندریا اور چار پانچ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ پانی میں بھیگ رہا تھا۔ بیا کو بندر پر بڑا رحم آیا۔

''بندر کاکا، خدا نے تمہیں آدمی جیسا بنایا ہے، طاقت بھی بخشی ہے۔ تم تو اتنے طاقتور ہو کہ ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر کود کر آ جا سکتے ہو۔ تمہارا جسم بھی کافی لمبا

چوڑا ہے۔ اگر تم اپنا ایک گھر بنا لیتے، تو تمہیں اور تمہارے بچوں کو اس طرح بارش میں بھیگنا تو نہ پڑتا۔'' بیا بندر اور اس کے بچوں سے ہمدردی کرتے ہوئے بولی۔

بندر نے بیا اور اس کے خوبصورت گھونسلے کی طرف دیکھا تو بیا نے پھر کہا۔ ''بندر کاکا، مجھے دیکھو، اللہ نے نہ صرف مجھے چھوٹا اور کمزور بنایا ہے، بلکہ ہاتھ پاؤں بھی ٹھیک سے نہیں دیے ہیں۔ بس ایک ننھی سی چونچ دی ہے۔

اسی سے کھانے پینے اور بچوں کو کھلانے کا کام لینا پڑتا ہے اور اسی چونچ سے میں نے یہ گھونسلا بنایا ہے، جس میں میرے بچے آرام سے رہ رہے ہیں۔ اگرچہ اتنا پانی برس رہا ہے لیکن وہ محفوظ ہیں۔ بندر کاکا، تم بھی اس برسات کے بعد ایک اچھا سے گھر ضرور بنا لینا تاکہ تمہارے بچے بھی آندھی اور پانی سے محفوظ رہ سکیں۔''

بیا نے بندر کاکا کو نصیحت کی اور پھر اپنے بچوں کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب بندر برسات کے بعد اپنا گھر ضرور بنا لے گا اور اپنے بچوں کو آرام سے رکھے گا۔

بندر بہت دیر سے پانی میں بھیگ رہا تھا۔ اسے بھیگنے سے زیادہ کھانے کی فکر ہو رہی تھی کیوں کہ اسے بڑی بھوک لگ رہی تھی، لیکن بارش میں کہیں سے کچھ کھانے پینے کا سامان ملنا ممکن نہ تھا۔ اسی درمیان بیا نے اپنی نصیحت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ بندر کو بہت برا لگا۔ وہ کچھ دیر تو سنتا رہا اور پھر اسے یہ سوچ کر غصہ آ گیا کہ ننھی سی چڑیا ہو کر بیا اسے نصیحت کر رہی ہے۔

وہ برستے ہوئے پانی میں اٹھا اور اُس درخت پر چڑھ گیا، جس پر بیا کا گھونسلا تھا۔ اس نے پوری طاقت سے درخت کو جھنجھوڑ ڈالا جس سے اس کی ساری شاخیں ہل اٹھیں۔ بیا کا گھونسلا بھی بری طرح ہل گیا۔ اس فوری مصیبت سے بیا گھبرا گئی۔

www.urduchannel.in

وہ فوراً اپنے گھونسلے سے نکل کر باہر آ گئی اور پھر اس نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا، اس سے اس کا دل کانپ اٹھا، بندر نے جب یہ دیکھا کہ بیا کا گھونسلہ درخت کے ہل جانے کے باوجود برباد نہیں ہوا، تو وہ اس شاخ کو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا، جس پر بیا کا گھونسلہ تھا۔ اس کے نتیجے میں کچھ ہی لمحوں میں بیا کا گھونسلا ندی میں جا گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی لہروں کی نذر ہو گیا۔

عقلمند بہو

کسی گاؤں میں ایک بیوقوف بوڑھا رہا کرتا تھا، اگرچہ وہ ہمیشہ فضول کام کرتا رہتا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو بڑا ہوشیار اور عقلمند سمجھتا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر تھانے پہنچ جاتا تھا۔ اسی وجہ سے گاؤں کے لوگ یا تو اس کا مذاق اڑاتے یا پھر اس سے نفرت کرتے تھے۔

تاہم بیوقوف بوڑھے کی بہو بڑی ہوشیار، خوبصورت اور بہت سی خوبیوں کی مالک تھی۔ وہ سارے گھر کے لیے کھانا تیار کرتی، پانی بھرتی اور صفائی کرنے کے علاوہ لوگوں کے آپسی جھگڑے بھی نمٹایا کرتی تھی۔ گاؤں والے اس کی بڑی عزت کرتے تھے، لیکن کچھ من چلے نوجوان، جن کی اس کی وجہ سے دال نہیں گل پاتی تھی، اسے نیچا دکھانے کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے۔

ایک بار بہو گاؤں کے باہر بنے کنویں سے پانی بھر رہی تھی، تبھی ادھر سے چار راہگیر گزرے، وہ چاروں پیاسے تھے، اس لیے پانی پینے کی غرض سے کنویں کے پاس جا پہنچے، مگر راہگیروں کے پاس کنویں سے پانی بھرنے کے لیے رسی اور برتن نہیں تھا۔ چنانچہ انھوں نے بہو سے پانی پلانے کی التجا کی۔

بہو نے سوچا کہ پہلے ان راہگیروں کا امتحان لے لیا جائے پھر پانی پلایا جائے۔

''تم کون ہو؟'' بہو نے ایک مسافر کو آگے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''میں مسافر ہوں۔'' پہلے راہگیر نے جواب دیا۔

''دنیا میں صرف دو مسافر ہیں، تم تیسرے کہاں سے آ گئے؟''

www.urduchannel.in

پہلے یہ بات بتاؤ اس کے بعد تمھیں پانی پلادوں گی۔'' بہو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پہلا راہگیر سوچ میں پڑ گیا۔

بہو نے دوسرے راہگیر کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔

''تم کون ہو؟' بہو نے اس سے سوال کیا۔

''میں ایک غریب ہوں۔'' دوسرے راہگیر نے جواب دیا۔

''دنیا میں صرف دو غریب ہوتے ہیں۔ تم تیسرے کہاں سے آ گئے؟ پہلے یہ بھید بتاؤ، پھر میں تمھیں پانی پلادوں گی۔'' بہو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دوسرا راہگیر بھی سوچ میں پڑ گیا۔

بہو نے تیسرے شخص کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔

''تم کون ہو؟'' بہو نے اس سے سوال کیا۔

''میں مداری ہوں'' تیسرے راہگیر نے جواب دیا۔

''دنیا میں صرف دو مداری ہوتے ہیں'' تم تیسرے کہاں سے آ گئے؟

پہلے یہ راز بتاؤ تو میں تمہیں پانی پلادوں گی'' بہو مسکراتے ہوئے بولی۔

تیسرا راہگیر بھی سوچ میں پڑ گیا۔

اب بہو نے چوتھے شخص کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ راہگیر آگے بڑھا۔ وہ بہت دیر سے بہو کی عجیب وغریب باتیں سن رہا تھا۔

''تم کون ہو؟'' بہو نے اس سے بھی سوال کیا۔

''میں بیوقوف ہوں'' چوتھے راہگیر نے جھلا کر کہا۔

''دنیا میں صرف دو مورکھ ہوتے ہیں۔ تم تیسرے کہاں سے آ گئے؟ پہلے یہ حقیقت سمجھاؤ، تو تمہیں پانی پلا دوں گی۔'' بہو اس سے بھی مسکراتے ہوئے بولی

اور کنویں سے پانی بھرنے لگی۔

چوتھا راہگیر بھی سوچ میں پڑ گیا۔

چاروں راہگیر بڑے پریشان تھے۔ انھیں کنویں سے پانی بھرتی ہوئی عورت کی پہیلیوں کے جواب نہیں سوجھ رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر وہ بغیر جواب دیئے ہی چلے گئے، تو ایک عورت کے سامنے انکی بے عزتی ہو جائے گی اور وہ پیاسے بھی رہ جائیں گے۔ وہ چاروں کبھی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے اور کبھی پانی بھرنے والی عورت کو گھورنے لگتے۔

گاؤں کے من چلے نوجوان بڑی دیر سے بہو اور راہگیروں کو کنویں کے قریب بات چیت کرتے دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل میں ایک خیال آیا۔ انہوں نے سوچا کہ بہو کو بدنام کرنے کا اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں مل سکتا۔ اس لئے من چلے نوجوان بہو کے بوڑھے سسر کے پاس پہنچے۔ بیوقوف سسر بڑی دیر سے اپنی بہو کا انتظار کر رہا تھا۔

''بابا تمہاری بہو بدکردار اور بڑی بے غیرت ہے۔ نہ مانو تو میرے ساتھ چل کر دیکھ لو۔'' لفنگے نظر آنے والے نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملادی۔

بیوقوف سسر نے انکی باتوں پر یقین کرلیا اور تھانے پہنچ کر پولس میں رپورٹ لکھوادی۔ جلد ہی تھانے دار، بوڑھا سسر، من چلے نوجوان اور گاؤں والے کنویں پر جا پہنچے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ کنویں کے قریب چار راہگیر کھڑے تھے اور بہو سر پر پانی کا برتن رکھ کر چلنے کی تیاری کر رہی تھی۔

تھانے دار چاروں راہگیروں اور بہو کو پکڑ کر تھانے لے آیا اور پوچھ تاچھ کرنا شروع کر دی۔ چاروں راہگیروں نے پوری بات بتادی۔ بہو نے ان کی تائید کر

www.urduchannel.in

دی۔ تھانے دار کو بھی بہو کی باتیں بڑی عجیب لگیں۔ ''تم نے راہگیروں کو بے سبب پریشان کیا ہے، تمہاری باتوں کا کوئی مطلب بھی ہے؟'' تھانے دار نے مسکراتے ہوئے بہو سے پوچھا۔

''میری چاروں باتوں میں کچھ بھید ہے۔ کیا آپ خود ان سوالوں کا جواب دے سکتے ہیں؟'' بہو نے بےخوف ہو کر تھانے دار سے سوال کیا۔ بیچارہ تھانے دار گھبرا گیا۔

''نہیں، نہیں۔ تم ہی بتاؤ، تمہاری باتوں کا کیا راز ہے؟'' تھانے دار نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے حضور، میں ہی بتاتی ہوں'' بہو نے ایک لمبی سانس لی۔

''میری پہلی بات کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں صرف دو مسافر ہوتے ہیں، سورج اور چاند، دونوں رات بھر چلتے رہتے ہیں، اس لیے کوئی تیسرا مسافر ہو ہی نہیں سکتا۔'' بہو نے پہلے راہگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری دوسری بات کا مطلب یہ تھا کہ دنیا میں صرف دو ہی غریب ہوتے ہیں۔ لڑکی اور گائے۔ یہ دونوں سبھی طرح کا ظلم برداشت کر لیتی ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا غریب ہو ہی نہیں سکتا۔'' بہو نے دوسرے راہگیر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری تیسری بات کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی مداری ہو سکتے ہیں۔ اناج اور پانی۔ یہی ہر آدمی کو سبھی طرح کے ناچ نچا سکتے ہیں۔ کوئی تیسرا مداری ہو ہی نہیں سکتا۔'' بہو نے تیسرے راہگیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

تھانے دار اور دوسرے لوگ بہو کی دانشمندانہ باتیں بڑے دھیان سے سن رہے تھے اور اسے نگاہِ تحسین سے دیکھ رہے تھے۔

''میری چوتھی بات کا راز یہ ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی بیوقوف ہو سکتے ہیں۔ ایک میرا سُسر اور دوسرا یہ تھانے دار۔ تیسرا کوئی بیوقوف ان سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا۔'' بہو نے چاروں باتوں کا راز عیاں کر دیا۔ بہو کی آخری بات سن کر تھانے دار کو غصہ آ گیا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم اپنے سسر اور مجھے احمق کہہ رہی ہو۔ کیا تم اسے ثابت کر سکتی ہو؟''

تھانے دار کی آواز میں غصہ تھا۔

بہو کے ذریعے بہت سے گاؤں والوں کے سامنے احمق کہے جانے کی وجہ سے وہ خود کو بےعزت محسوس کر رہا تھا۔

''جی حضور، میں ثابت کر سکتی ہوں کہ میرا سسر اور آپ دونوں احمق ہیں۔'' بہو نے گہری سانس لی اور بولی۔ ''جو شخص بغیر سوچے سمجھے کوئی کام کرتا ہے یا گھر کی بات باہر لے جاتا ہے وہ احمق ہوتا ہے۔ میرے سُسر کو میرے کردار پر شک تھا تو اسے مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔ پولس، تھانے اور سارے گاؤں میں بغیر سوچے سمجھے اپنی بہو کو بدنام کرنے والے شخص کو احمق نہیں تو اور کیا کہا جائے گا؟'' بہو نے اپنی بات پوری کر دی۔

''لیکن، تمہاری بات سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا ہے کہ میں بھی احمق ہوں۔'' تھانے دار اکڑ کر بولا۔

''حضور معاف کیجیے گا۔ بیوقوف شخص کے کہنے پر عمل کرنے والا بھی بیوقوف ہوتا ہے۔'' بہو نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی پانی کی مٹکی لیے ہوئے گھر کی جانب چل دی۔

☆☆☆

www.urduchannel.in

سبق

کسی گھنے جنگل میں ایک تیتر اور ایک گیدڑ رہا کرتے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ دونوں دن بھر ساتھ ساتھ گھومتے اور شام کو ایک پیڑ کے نیچے گپ شپ میں مصروف ہو جاتے۔ پیڑ کے قریب ہی ایک غار میں گیدڑ رہا کرتا تھا اور پیڑ کی ایک شاخ پر تیتر نے اپنا ڈیرا جما رکھا تھا۔

گیدڑ بیوقوف تھا لیکن تیتر بڑا ہوشیار اور عقلمند تھا۔ جب کبھی گیدڑ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا تو تیتر اس کی مدد کو جا پہنچتا اور کسی نہ کسی طرح اسے مصیبت سے نجات دلاتا تھا۔ اس کے باوجود گیدڑ کو اپنی عقل پر بڑا غرور تھا۔ دراصل وہ ہمیشہ اسی غرور کے سبب کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا۔

ایک دن تیتر نے سوچا کہ اگر کسی طرح گیدڑ کے غرور کو چور کر دیا جائے تو وہ بہت اچھا دوست بن سکتا ہے، لہٰذا اس نے ایک منصوبہ بنایا دوسرے دن علی الصبح تیتر پیڑ سے اُتر کر گیدڑ کے پاس آیا اور بولا۔

''گیدڑ بھائی تمھاری سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

''یہی کہ اپنا پیٹ بھرنا۔ مجھ میں یہی خوبی ہے کہ صبح سے شام تک کسی نہ کسی طرح میں اپنا پیٹ آرام سے بھر لیتا ہوں۔'' گیدڑ نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

''تمھارے اندر اور کون کون سی خوبیاں ہیں؟'' تیتر نے پھر سوال کیا۔

''اس کے علاوہ مجھ میں اور کوئی خوبی نہیں ہے۔'' گیدڑ نے بے پروائی سے جواب دیا اور پھر گردن اونچی کر کے بولا۔ ''تیتر بھائی، اب تم بتاؤ کہ تمھارے اندر کتنی خوبیاں موجود ہیں۔؟''

''میرے پاس تین خوبیاں ہیں۔'' تیتر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ کون کون سی تین خوبیاں ہیں؟'' گیدڑ نے حیرت سے پوچھا۔

''پہلی خوبی تو یہ ہے کہ میں اپنے ساتھ تمھیں بھی طرح طرح کے لذیز پکوان کھلا سکتا ہوں۔ دوسری یہ کہ میں تمھیں خوب ہنسا سکتا ہوں اور تیسری خوبی یہ ہے کہ تمھیں بری طرح رُلا سکتا ہوں۔'' تیتر اپنی تینوں خوبیاں بیان کر کے خاموش ہو گیا۔

''ناممکن، قطعی ناممکن! تم ذرا سے پرند ہو کر یہ سب کیسے کر سکتے ہو؟'' گیدڑ نے تیتر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

اس بات پر گیدڑ اور تیتر میں بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔

آخر یہ طے ہوا کہ تیتر اسی دن اپنی تینوں خوبیوں کا مظاہرہ گیدڑ کے سامنے کرے گا۔ صبح ہو چکی تھی، دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ تیتر نے گیدڑ کو ایک گھنے پیڑ کے نیچے آڑ میں بٹھا دیا اور خود اسی پیڑ کی شاخ پر بیٹھ گیا۔ اسی وقت گاؤں کے زمیندار کی بہو کھیت پر اپنے شوہر کے لیے لذیز کھانوں کی پوٹلی اپنے سر پر رکھے اسی پیڑ کے نیچے سے گزری، تیتر فوراً اڑا اور اس عورت کے سر کے پاس جا کر پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ گھبرا گئی اور پوٹلی اس کے سر سے زمین پر جا گری اور وہ گاؤں کی طرف واپس ہو گئی۔ زمین پر گرتے ہی پوٹلی کھل گئی اور لذیز کھانے زمین پر بکھر گئے۔ تیتر نے گیدڑ کو پاس بلایا اور اسے بھی عمدہ عمدہ کھانوں میں شریک کر لیا۔

'تیتر بھائی، تمھاری ایک بات تو پوری ہو گئی، لیکن بقیہ دو باتیں تم پوری نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ ہنسنا اور رونا تو میرے بس کی بات ہے۔ تم مجھے کیسے ہنسا سکتے ہو؟'' گیدڑ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

''گیدڑ بھائی، تم دیکھتے جاؤ، میں آج ہی تینوں باتیں کر کے تمھیں دکھا دوں گا۔'' تیتر نے بڑے اعتماد سے کہا اور اسی پیڑ کی شاخ پر جا بیٹھا اور سو گیا۔

گیدڑ نے تیتر کو سوتے ہوئے دیکھا تو اسے بھی نیند آنے لگی۔ اس نے سوچا کہ تیتر تو سو چکا ہے۔ اس لیے اب اپنی دونوں باتیں کیوں کر پوری کر سکے گا؟

www.urduchannel.in

شام ہو رہی تھی۔ چڑیاں اپنے بسیروں کو واپس لوٹ رہی تھیں۔ تبھی تیتر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ رات ہونے سے پہلے ہی اسے اپنی دونوں خوبیوں کا مظاہرہ کرنا تھا۔ گیدڑ بھی اپنی نیند پوری کر کے جاگ اٹھا تھا۔ تبھی تیتر کی نظر اپنے کھیتوں سے واپس ہوتے ہوئے کچھ لوگوں پر پڑی۔ سبھی لاٹھی لیے تھے جھوم جھوم کر باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک گنجا بھی تھا، جو سب کے درمیان چل رہا تھا۔

تیتر نے چپکے سے اڑان بھری اور گنجے شخص کے سر پر بیٹھ گیا۔ گنجا جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس کے ساتھیوں کے قدم بڑھ چکے تھے مگر جب انھوں نے گھوم کر دیکھا تو گنجا مورتی بنا کھڑا تھا اور اس کے سر پر ایک تیتر بیٹھا تھا۔ سبھی نے لاٹھیاں تان لیں تاکہ وہ تیتر کا شکار کر سکیں۔ جیسے ہی ایک شخص نے گنجے کے سر پر لاٹھی سے حملہ کیا، تیتر اڑ کر شاخ پر جا بیٹھا لیکن بیچارے گنجے کا سر پھٹ گیا۔ تیتر نے دیکھا کہ نیچے کھڑے گیدڑ کا ہنسی کے مارے برا حال ہو گیا تھا۔

''مان گئے، تیتر بھائی، تم بہت ہوشیار ہو، حالانکہ تم نے اپنی دو باتیں تو پوری کر دیں لیکن تیسری بات تم پوری نہیں کر سکتے۔ جب آج تک کوئی بھی مجھے رُلا نہیں سکا تو تم کیا رُلا سکو گے؟'' گیدڑ بولا۔

''گیدڑ بھائی، تھوڑا سا انتظار کرو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے میں وہ کر کے دکھا کر ہی دم لوں گا۔'' تیتر بڑے سکون اور اطمینان کے لہجے میں بولا۔

اس بار تیتر گیدڑ کو لے کر ایک چھوٹے سے باغ میں پہنچا اور اسے وہاں بیٹھنے کا کہہ کر گاؤں کی طرف چل پڑا۔ اسی باغ میں چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں، صرف ایک ہی چھوٹا سا راستہ آنے جانے کے لیے تھا۔

گاؤں کی حد شروع ہوتے ہی تیتر کو آٹھ دس خونخوار کتوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ وہ کسی کو دیکھ دیکھ کر بھونک رہے تھے۔ تیتر ان کے سامنے کچھ فاصلے پر جا کر

زمین پر گر پڑا۔ سبھی کتے اس پر جھپٹے لیکن جب تک کتے اس تک پہنچتے وہ پھر اڑا اور کچھ دور پر جا کر زمین پر گر پڑا۔ کتے پھر اس کی طرف جھپٹے۔ اسی طرح تیتر بار بار گرتا اور اڑتا ہوا اسی باغ تک جا پہنچا جہاں گیدڑ بیٹھا ہوا تھا۔ آخر کار تیتر باغ کے اندر گرا، سبھی کتے اس کا پیچھا کرتے ہوئے باغ کے اندر داخل ہو گئے۔ اب تیتر اڑ کر ایک پیڑ کی شاخ پر بیٹھ گیا۔ کتے اس کی طرف غصے سے دیکھ رہے تھے۔ تبھی ان کی نظر گیدڑ پر پڑی اور وہ تیتر کو چھوڑ کر گیدڑ پر جھپٹ پڑے۔

گیدڑ کی حالت بری ہو گئی۔ کوئی اس کی اگلی ٹانگ کھینچنے لگا تو کوئی پچھلی ٹانگ کو گھسیٹنے لگا۔ ایک کتے نے تو اس کا منہ ہی نوچ لیا۔ بیچارہ گیدڑ بری طرح رونے لگا۔

''دوست، ان کتوں سے میری جان بچاؤ۔ میں تمھیں مان گیا تم جیت گئے۔ میں ہار گیا۔ تم نے جو بھی تین باتیں کہی تھیں، انھیں پورا کر دکھایا۔ اب میری مدد کرو، نہیں تو یہ کتے مجھے جان سے مار دیں گے۔'' گیدڑ روتے ہوئے گڑگڑایا۔

تیتر کو گیدڑ پر رحم آ گیا، کیوں کہ وہ اس کا دوست تھا۔ تیتر پیڑ سے اُڑا اور پھر پہلے کی طرح کُتوں کے قریب زمین پر گرا۔ اسی طرح اڑتے گرتے وہ کتوں کو گاؤں تک چھوڑ آیا۔

کچھ ہی دنوں میں گیدڑ کے زخم بھر گئے۔ اب وہ اچھی اچھی باتیں کرنے لگا۔ اس کا غرور اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔

www.urduchannel.in

بلّی کا بٹوارہ

کسی شہر میں ایک محنتی، ایماندار اور امن پسند سپیرا رہتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا بڑا جھگڑالو تھا۔ اس سے بوڑھا سپیرا ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس کے مرنے کے بعد بڑا بیٹا ضرور ملکیت کی تقسیم کے سوال پر لڑائی جھگڑا کرے گا۔ اس لیے اس نے ایک دن چاروں بیٹوں کو اپنے سامنے بیٹھا کر اپنی ہر چیز ان میں برابر برابر تقسیم کر دی۔

سب چیزوں کا بٹوارہ کرنے کے بعد ایک بلی باقی بچی۔ بوڑھے سپیرے نے بلی کا ایک ایک پیر چاروں بھائیوں میں بانٹ دیا اور چاروں بھائی اس بٹوارے سے مطمئن ہو گئے۔

ایک دن بوڑھے سپیرے کا انتقال ہو گیا۔ چاروں بیٹوں نے اس کی آخری رسوم ادا کیں۔ پنچایت کو بھوج دیا اور اپنے باپ کی استھیوں کو ایک ندی کے کنارے دفن کر کے انھوں نے وہاں ایک خوبصورت مندر بنوا دیا۔ بوڑھے سپیرے کی آخری رسوم میں تین بھائی تو جی لگا کر کام کر رہے تھے لیکن سب سے بڑا بھائی برائے نام ہی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

دراصل وہ بہت کنجوس اور کاہل تھا۔ اُسے اپنے مرحوم باپ کے نام پر کچھ بھی کرنا مصیبت اور فضول خرچی معلوم ہو رہا تھا۔ چاروں بھائی بٹوارہ ہو جانے کے بعد بھی ایک ساتھ ہی رہتے تھے، کیوں کہ مکان ایک تھا، اگرچہ بلی کا بٹوارہ ہو گیا تھا لیکن وہ بھی سب کی مشترکہ ملکیت بنی ہوئی تھی۔ تین بھائی تو اس کا تھوڑا بہت دھیان رکھتے تھے لیکن سب سے بڑے بھائی کو اس کی بالکل فکر نہیں تھی۔ بلی مست تھی، وہ دن بھر ادھر ادھر گھومتی پھرتی یا سوتی رہتی اور رات ہوتے ہی چوہوں کا

شکار کرنے نکل جاتی۔

ایک رات ایک موٹے چوہے کو پکڑتے وقت بلی گر پڑی اور اس کا ایک پیر ٹوٹ گیا۔ اتفاق سے بلی کا وہی پیر ٹوٹا تھا، جو سب سے بڑے بھائی کے حصے میں آیا تھا۔ بڑے بھائی کو بلی پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے بلی کو گھر سے باہر نکال دیا اور اپنے کام کاج میں لگ گیا۔

بیچاری بلّی بڑی غمگین تھی۔ ایک ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ اب چوہوں کا شکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ اتنی کمزور ہو گئی کہ اس کے پیر چلتے ہوئے لڑکھڑانے لگے۔

ایک دن بلی پڑوسی کے باورچی خانے میں کچھ کھانے کے لیے داخل ہوئی تو اس کا پیر یکا یک ایک جلتی ہوئی لکڑی پر پڑ گیا۔ لکڑی پاس رکھی ہوئی لکڑیوں پر گری، جس سے گھر میں آگ لگ گئی۔ بلّی نے بھاگ کر کسی طرح اپنی جان بچا لی، لیکن سارا گھر جل کر راکھ ہو گیا۔

گھر کا مالک اپاہج بلّی اور بہت سے پڑوسیوں کو ساتھ لے کر چاروں بھائیوں کے گھر پہنچا اور بگڑنے لگا۔

بڑا بھائی کہیں باہر گیا ہوا تھا، اس لیے باقی تینوں بھائی باہر آئے۔ انھوں نے گھر کے مالک اور پڑوسیوں کو سمجھایا کہ بلی کا بٹوارہ ہو چکا ہے اور بلی کی جس ٹوٹی ہوئی ٹانگ کی وجہ سے گھر جلا ہے، وہ بڑے بھائی کے حصے کی تھی، اس لیے وہ اس بارے میں بڑے بھائی سے بات کریں۔

اسی وقت بڑا بھائی بھی وہاں آ پہنچا۔ سبھی لوگوں نے اس سے بلی کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے سبب گھر جلنے کا ذکر کیا اور ہرجانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن بڑے بھائی نے

www.urduchannel.in

معاوضہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ بلی سب بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی، اس لیے سبھی مل کر معاوضہ ادا کریں وہ تنہا ہرجانہ ہرگز نہیں دے گا۔ بات بڑھتی گئی اور معاملہ الجھتا ہی چلا گیا۔ آخر کار سبھی نے یہ طے کیا کہ پنچایت بٹھائی جائے اور دوسرے ہی دن گاؤں کے باہر ایک درخت کے نیچے پنچایت بیٹھ گئی۔ پنچایت میں چاروں بھائی اور بہت سے پنچوں کے علاوہ وہ شخص بھی موجود تھا جس کا مکان جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

''بوڑھے سپیرے نے کن کن چیزوں کا بٹوارہ کیا تھا۔'' سرپنچ نے بڑے بھائی سے سوال کیا۔

''کپڑے، برتن، زیور، چارپائی وغیرہ سبھی چیزوں کا بٹوارہ ہوا تھا۔'' بڑے بھائی نے جواب دیا۔

''بلّی کا بٹوارہ بھی ہوا تھا؟'' مکھیا نے پھر بڑے بھائی سے سوال کیا۔

''ہاں ہوا تھا۔'' بڑے بھائی نے دھیرے سے جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ مکھیا بہت تیز اور ہوشیار ہے، وہ کسی نہ کسی طرح اس سے سچ اُگلوا ہی لے گا۔ اس لیے اس نے سچ بولنے ہی میں عافیت سمجھی۔

''تمھارے حصے میں کیا آیا تھا؟'' مکھیا نے پوچھا۔

''بلّی کا اگلا بایاں پیر'' بڑے بھائی نے جواب دیا۔

''جب بلّی کے آگے کا بایاں پیر ٹوٹا تو تم نے اس کا علاج کیوں نہیں کرایا؟'' مکھیا کی آواز میں غصہ نمایاں تھا۔ اس نے بڑے بھائی کے چہرے پر نگاہ جما دی۔

''میں نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔'' بڑے بھائی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔''

''یہ تو تم نے ایک مظلوم اور اپاہج جانور پر ظلم کیا۔ تمھیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔'' مکھیا بولا۔

بڑا بھائی خاموش کھڑا رہا۔

''تم جانتے ہو کہ ٹانگ ٹوٹنے کے سبب ہی بلّی شکار کرنے کے قابل نہیں رہی اور اسے آس پاس کے باورچی خانوں سے چُرا چُرا کر پیٹ بھرنا پڑا۔ اسی وجہ سے ایک غریب کے گھر کو آگ لگ گئی۔ اگر تمھارے درمیان بٹوارہ نہ ہوا ہوتا تو چاروں بھائی مل کر جرمانہ ادا کر دیتے، لیکن گھر کی ہر چیز کا بٹوارہ ہو چکا ہے۔ بلّی کا بٹوارہ بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے تمھیں بلی کے پیر کا علاج کروانا پڑے گا اور اس غریب کو گھر بنوا کر دینا ہوگا جس کا گھر جل کر راکھ ہو چکا ہے۔'' مکھیا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

فیصلہ سن کر سبھی مطمئن ہو گئے۔ بڑے بھائی کو بھی پنچایت کے فیصلے کے سامنے جھکنا پڑا۔

اگر آدمی ابتدا میں ہی اپنی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو درست کر لے تو وہ آئندہ بڑی بڑی غلطیوں اور ان کی وجہ سے ہونے والے خطروں سے بچ سکتا ہے۔

www.urduchannel.in

گلگلوں کی فرمائش

کسی گاؤں میں ایک نوجوان شادی شدہ جوڑا رہا کرتا تھا۔ ایک دن کسی تہوار کے موقع پر شوہر نے اپنی بیوی سے گلگلوں کی فرمائش کی۔ بیوی تیار ہوگئی۔ اس نے تھیلا اٹھایا اور بازار سے تیل، گڑ، آٹا لے آئی۔ تیل میں اس نے آٹے اور گڑ کو پھینٹ کر بڑے بڑے گلگلے بنائے، لیکن جیسے جیسے کڑھائی میں تیل کم ہوتا گیا، ویسے ویسے گلگلے چھوٹے ہوتے گئے۔ بیوی نے پہلے ایک پلیٹ بھر کر گلگلے اپنے شوہر کو دیے۔ میاں نے سب گلگلے کھا لیے اور پھر فرمائش کی۔ بیوی نے ایک پلیٹ گلگلے اور بھیج دیے۔ اس بار پلیٹ میں چھوٹے گلگلے تھے۔ چھوٹے گلگلے دیکھ کر شوہر کو غصہ آ گیا۔ اس نے گلگلے کی پلیٹ کو پھینکتے ہوئے بیوی کو پکارا۔ ''کیوں ری یہ کیا بھیجا ہے؟''

''کیا بات ہے؟ کیوں چیخ رہے ہو؟'' بیوی باورچی خانے سے ہی بولی۔

''میں کہتا ہوں پہلے ادھر آؤ، یہ چھوٹے گلگلے کیوں بھیجے ہیں؟'' میاں پھر غصے سے چیخا۔

''ارے دونوں ایک ہی طرح کے ہیں۔ چھوٹے بڑے گلگلوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں آٹے اور گڑ سے بنے ہیں۔'' بیوی نے آ کر سمجھایا۔

''نہیں، میں صرف بڑے گلگلے ہی کھاؤں گا۔'' میاں نے ضد کی۔

''اب بڑے گلگلے نہیں ہیں۔'' بیوی نے پھر سمجھایا۔

''نہیں، میں صرف بڑے ہی کھاؤں گا۔'' میاں غصے میں چلایا۔

''اب بڑے نہیں ہیں تو میں کہاں سے لاؤں؟'' کھانا ہے تو کھاؤ نہیں تو میری بلا سے۔'' بیوی جھنجھلاتی ہوئی بولی اور واپس باورچی خانے میں چلی گئی۔

میاں اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اور چارپائی پر لیٹ گیا، کچھ دیر تک وہ ہلا جلا بھی نہیں، بس سانس روکے پڑا رہا۔ اس کی بیوی سب سمجھ رہی تھی۔ اس نے میاں کو سبق سکھانے کے لیے آس پاس کے گھروں میں میاں کی بیماری کی خبر پھیلا دی۔ کچھ ہی دیر میں دروازے پر بھیڑ لگ گئی۔ دو چار بڑے بوڑھے اندر آ گئے۔ میاں ابھی تک سانس روکے پڑا تھا۔ ایک بوڑھے شخص نے آگے بڑھ کر اس کے سر اور سینے پر ہاتھ رکھا اور بڑے اداس لہجے میں بولا۔ ''ارے، یہ تو مر گیا۔ چلو بھائیو، اب لکڑی وغیرہ کا انتظام کریں۔''

سب لوگ لکڑی اور کفن وغیرہ کا انتظام کرنے میں لگ گئے تب ہی مرنے کا ناٹک کرنے والے شخص کی بیوی نے آگے بڑھ کو بوڑھے پنچ سے کہا۔ ''دادا ہمارے یہاں مرنے والے کے کان میں مرحوم بزرگوں کے لیے سندیش بھیجتے ہیں، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی سندیش دے دوں۔''

''ہاں بیٹا، اب تو یہ مر ہی گیا ہے، تم اپنے خاندان کی رسم ضرور پوری کر لو۔'' کہتے ہوئے بوڑھا پنچ پیچھے ہٹ گیا۔

''میں کہتی ہوں چھوٹے بڑے سب کھا لو۔' بیوی نے میاں کے کان میں کہا۔

''نہیں، میں صرف بڑے ہی کھاؤں گا۔'' میاں نے پھر جھنجھلاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

اب لوگوں نے میاں کو اٹھا کر ارتھی پر لٹا دیا اور شمشان میں لے جانے کی تیاری کرنے لگے۔

''میں کہتی ہوں کہ چھوٹے بڑے سب کھا لو۔'' بیوی نے ایک بار پھر میاں کے کان میں کہا۔

www.urduchannel.in

''نہیں، میں صرف بڑے ہی کھاؤں گا۔'' میاں ابھی تک اپنی ضد پر اڑا رہا۔ لوگوں نے ارتھی کو اٹھایا اور شمشان کی طرف چل پڑے۔ چتا لگائی گئی اور میاں کو اس پر لٹایا گیا۔ ایک شخص چتا کو آگ دینے کے لیے آگے بڑھا۔ تبھی بیوی نے آگے بڑھ کر آخری بار میاں کے کان کے پاس منہ لے جا کر دھیرے سے کہا۔'' میں کہتی ہوں، چھوٹے بڑے سب کھالو۔''

''نہیں، نہیں، نہیں، میں صرف بڑے ہی کھاؤں گا۔ میاں نے دھیرے سے جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

بیوی کے چتا کے پاس سے ہٹتے ہی ایک شخص نے چتا کو آگ لگا دی۔ جیسے چتا نے آگ پکڑی اور اس کی لپٹوں کی گرمی میاں کو محسوس ہوئی وہ چلاتا ہوا اٹھ کر بھاگا۔'' میں چھوٹے بڑے سبھی کھالوں گا۔''

☆☆☆